ایمان اور گناہ کی علامتیں

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ ((اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَیِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ)) قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ ((اِذَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ شَیْءٌ فَدَعْهُ)) [رواہ احمد: ۵/۲۵۱]

''سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، ایمان کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جب تیری نیکی تجھ کو خوش کرے اور تیری برائی تجھ کو ناخوش کرے پس تو مومن ہے؟'' اس نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! گناہ کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تیرے دل میں کوئی چیز کھٹکے، لہٰذا تو اس کو چھوڑ دے۔''

دین کے بنیادی اصول ②

اصول نمبر 2...... وَتَرْكُ الْبِدَعِ،وَ كُلُّ بِدْعَةٍ فَهِيَ ضَلَالَةٌ۔

''(ثواب کی امید پر) نئے کام (کرنے) چھوڑنا، (کیوں کہ دین میں) ہر نیا کام گمراہی ہے۔''

شرح: دین میں نیا کام ایجاد کرنے کو بدعت کہتے ہیں، یعنی شریعتِ اسلامیہ کی طرف کسی کام کی اس طرح نسبت کر دی جائے کہ اسے شریعت کے ساتھ جوڑ دیا جائے حالاں کہ وہ پہلے اس میں سے نہ تھا، گو وہ کام عقائد، بدنی اعمال یا مختلف اقوال سے تعلق رکھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مکمل کر دیا ہے، اس بات کے اظہار کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی زندگی کے آخری ایام میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔'' [سورہ مائدہ، آیت نمبر:۳]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تمام احکام یقیناً پہنچا دیے ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ان تمام باتوں کی تعلیم دی جن کی انہیں ضرورت تھی، حتیٰ کہ بیت الخلاء وغیرہ کے آداب بھی سکھائے کہ اکثر شرم وحیا کی وجہ سے ایسی باتیں چھوڑ دی جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے پہلے اگر کوئی مسئلہ پرندے کے پَر پھیلانے کے متعلق بھی تھا تو بیان کر دیا، یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہم سے رخصت ہوئے کہ اگر کوئی پرندہ آسمان میں اپنے پر پھیلاتا ہے تو آپ نے اس کے متعلق بھی ہمیں علم عطا فرمایا۔ [مسند احمد:۵/۱۵۳،۱۶۳۔ مجمع الزوائد:۸/۲۶۳،۲۶۴]

یہی احکامِ دین اہل السنۃ کو نئی ایجادات سے بے پروا کر دیتے ہیں۔

عقیدہ میں بدعات: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی کہ آپ کی امت خواہشات اور مرضی کی وجہ سے عنقریب ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ایک کے سوا سب آگ میں جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''یہودی ۷۱ فرقوں میں، عیسائی ۷۲ فرقوں میں، جب کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، ایک کے سوا سب آگ میں جائیں گے۔'' صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس راہ پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔'' [سنن ابن ماجہ:۳۹۹۲۔ السنۃ لابن ابی عاصم:۱/۳۲، رقم ۶۳۔ معجم کبیر للطبرانی:۱۸/۷۰۔ وغیرھم]

[ترجمہ: ابوبکر ظفر]

فہرست

.... میاں فضیحت

اداریہ — حافظ احمد شاکر

ظہورِ نبوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے جو معرکہ ہائے ہلال وصلیب شروع ہوئے وہ نشیب وفراز کے ساتھ اب تک جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔ یہ معرکہ جب بھی بیدار ہوتا اور سراٹھاتا ہے اسے الکفر ملۃ واحدۃ کے دوامی اصول کے تحت وقت کی تمام کافر حکومتوں اور افراد کی ہمدردیاں میسر ہوتی اور تعاون ملتا رہتا ہے جب کہ مسلم امہ کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔

طاغوت کا اصل طریق کار یا سازش کی حکمت عملی یوں ترتیب دی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں باہم اوّلاً اختلاف، پھر باہمی مخالفت ومخاصمت، پھر تفریق، پھر جنگ وجدال کو اس حد تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ مسلمان آپس ہی میں گتھم گتھا ہوتے اور کلمہ گو مسلمان ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگتے ہیں۔

ماضی قریب میں مسلم امہ خلافت عثمانیہ کے تحت جب استحکام پکڑنے لگی تو اس وقت طاغوت نے اس کو تاراج کرنے کے لیے خلافت عثمانیہ کی حکومت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی ایسی حکمت عملی تشکیل دی کہ کل کے بھائیوں کے مابین نفرت کی ختم نہ ہونے والی لکیریں کھینچ دی گئیں، ہمارے دیکھنے میں جب اللہ تعالیٰ نے ملک فیصل بن عبدالعزیز رحمہا اللہ جیسی نابغہ شخصیت کو مسلم امہ کے درد سے لبریز دل عطا کر کے تخت نشین کیا تو اس گھر کو گھر ہی کے چراغ سے آگ لگا دی گئی، پھر جنرل ضیاء الحق جب روس کو راستے ہی میں روکنے میں کامیاب ہونے لگے تو امریکا نے اس سنہری موقع ...... کہ کام آنے والے غیر امریکی اور مسلمان تھے...... سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ...... بہ ظاہر پاکستان کی مدد کی لیکن......اپنے دشمن اوّل کو زک پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہوئے پاکستان کو خوب نوازا۔ ظاہر بات ہے کہ اس نوازش میں اس کے اپنے مفادات تھے جب کہ ضیاء الحق کے سامنے اپنے دینی وملکی مفادات تھے۔ جنگ افغانستان جب کامیاب یعنی روس کو شکست نظر آنے لگی تو طاغوت نے حسب عادت اپنے لیے مہرے تلاش کر کے جنیوا معاہدہ کروا دیا جو ضیاء الحق کے جنگ افغانستان میں مقصود دینی مقاصد کے پیٹھ میں ایسا چھرا ثابت ہوا کہ جس سے اب تک لہو رس رہا ہے اور مسلم امہ اب تک خون سے لت پت ہے۔ اس جنیوا معاہدے کے نتیجے میں امریکا کو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واحد سپر پاور بن گیا اور ضیاء الحق رحمہ اللہ ناکام بھی ہو گئے اور جان سے بھی گئے۔ لیکن بھسم شدہ امت مسلمہ کو جہاد کی جو چنگاری دکھا گئے تھے اس نے اب تک دنیائے کفر کو وخت ڈالا ہوا ہے۔

جنگ افغانستان کے بعد اس نے نیو ورلڈ آرڈر جاری کیا، ہلال وصلیب کی کشمکش کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں کو خواہ مخواہ اپنا ہدف بنا کر کارروائیاں شروع کر دیں جس میں عملی کوششوں ...... بم دھماکوں وغیرہ ...... سے پہلے اس نے میڈیا واریوں شروع کی کہا کہ جن مجاہدین کو اس نے جنگ افغانستان میں V.I.P پروٹوکول دیا تھا اب وہ ان کو کبھی فنڈا منڈلسٹ، کبھی انتہا پسند، کبھی مذہبی جنونی، کبھی غیر معتدل اور کبھی دہشت گرد جیسے نام دینے لگا امریکا جن کو کل ہیرو کہتا تھا آج اسی نے ان کو زیرو قرار دے دیا۔ مسلمانوں کے خلاف ذہن سازی کے اس طریق کار میں بھی جب وہ کامیاب نہ ہوا تو پھر اس نے خانہ ساز اسامہ نامی ایک ہیولیٰ اور القاعدہ نامی ایک گروہ کی تشہیر شروع کر دی اور اسی آڑ میں اس نے ۱۱/ ۹ کا ڈرامہ ڈسپلے کر دیا اور اسی عنوان پر اس نے عراق وافغانستان پر حملہ کر کے مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ لیکن اس کو ٹھنڈ نہیں پڑی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہ دونوں جگہ شکست کھا چکا اور کھا رہا ہے لیکن اس کی معیشت چوں کہ اسلحہ فروشی پر ہے۔ لہٰذا وہ تباہی کے دھانے پر پہنچی ہوئی امریکی معیشت کو اسلحہ

فروشی کی بیسا کھیوں سے سہارا دینے کی کوشش میں ہے۔لہٰذا وہ کسی بھی جگہ شکست تسلیم کر کے جنگ بند کرنے پر آمادہ نہیں۔

....

صلیب نے عالم اسلام میں ظلم وجور کا جو طوفان اٹھا رکھا ہے اس کے جواز یا اس کی حدت کم کرنے کے لیے وہ دنیا میں امن وآشتی کے نام پر جن مختلف عنوانات پر کام کر رہا ہے ان میں ''تہذیبوں کا تصادم'' روکنے اور ''بین المذاہب ہم آہنگی'' کے عنوان بڑے دل فریب اور جاذب ہیں۔

تہذیب ہمارے نزدیک خالص معاشرتی اور علاقائی ثقافتی چیز ہوتی ہے۔ پاکستان کے چاروں صوبوں کی تہذیب الگ الگ ہے۔علاقائی اور ثقافتی رسوم ورواج، لباس، وضع قطع، رہن سہن، کھانے اور مجالس کے الگ الگ رنگ اور طریقے یہ سب تہذیب کا حصہ ہیں اس میں تصادم؟ کم از کم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔تصادم تو مذاہب میں ہوتا ہے جس کو روکنے کے لیے اسلام نے شروع ہی سے اصول مقرر فرما دیئے ہیں جس کے بعد مذاہب میں برداشت اور حوصلہ تو ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے ہم آہنگی نہیں ہو سکتی۔ہم آہنگی تو مسالک میں پیدا کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا دو...... بہ ظاہر...... خوب صورت لیکن حقیقتاً دجل آمیز عنوانات کے تحت پاکستان میں کئی سال سے بعض امریکی ادارے مصروف عمل ہیں۔ پہلے مرحلہ پر مذہبی جماعتوں کے بعض...... بزعم خود...... لیڈر حضرات اور مختلف مسالک کی مساجد کے چنیدہ خطباء کی ذہنی وفکری تربیت کا عمل شروع کیا گیا جس کے نتیجہ میں اس سال صرف لاہور، لاہور میں تین سو سے زائد مقامات پر بین المذاہب ہم آہنگی دکھاتے ہوئے کرسمس کے کیک کاٹے گئے۔ایسا ہی مشاہدہ بعض سکھ اور ہندوانہ تہواروں کے موقع پر مخصوص علماء، خطباء کو شریک کر کے ''ہم آہنگی'' دکھانے کی صورت میں نظر آتا رہتا ہے۔ہم آہنگی کے نعرے کے بغیر ایک مسلمان ملک میں یہ برداشت، تحمل آمیز ملاقاتیں تو بہت ضروری ایک اچھی چیز اور قابل تحسین ہیں لیکن اس کو ہم آہنگی کس معنی میں کہا جاسکتا ہے؟ ہم آہنگی کا درس دینے والے عیسائی ملک پولینڈ میں برداشت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے مساجد کے مینار بنانے پر بھی پابندی عائد کر دی ہے۔صلیبی طاقتیں پاکستان کی ایٹمی طاقت اور ایران کو ایٹمی قوت بننے کی مخالف صرف اس لیے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔صلیب کی اس برداشت کو ہم محاورتاً یہی کہہ سکتے ہیں کہ دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت۔

اس کے بعد یہی درس...... صلیبی طاقتوں کے بہ ظاہر خوش کن عنوان...... امن وآشتی کے عنوان پر مختلف مسالک کے دینی مدارس کے طلباء وعلما کو دیا گیا اب کچھ عرصہ سے دینی جرائد کے مدیران کے لیے یہ درس شروع کیا گیا ہے جس میں مدیران جرائد کو یہ بتایا گیا کہ مفروضوں کی بنیاد پر مخالفت اچھی چیز نہیں۔ پھر بتایا گیا کہ اپنی شناخت پر اصرار جھگڑوں اور تنازعات کا سبب بنتا ہے اس لیے شناخت پر اصرار نہ کرتے ہوئے تنازعہ ختم کرنے کے لیے لچک دار رویہ اپنانا اور مصالحت آمیز طریقہ اختیار کرنے سے آپس (یعنی مذاہب میں تناؤ اور کھچاؤ) کی کیفیت کم ہو سکتی ہے۔ چوں کہ چناں چہ کے جھمیلے سے نکل کر امریکا یہ چاہتا ہے کہ مسلمان مفروضوں کی بنیاد پر امریکا کو برا سمجھنا چھوڑ دیں۔اپنی اسلامی شناخت...... غیرت جس کا نام ہے...... کے تحفظ پر لڑنے مرنے پر آمادہ نہ ہو جایا کریں۔تنازعات کو...... برف کی طرح ٹھنڈے...... (یعنی بے حس) ہو کر طے کرنے کے لیے عملی اقدامات کریں۔

مذکورہ بالا تحریر وضاحت ہے اس چیز کی جو امن وآشتی کے پیام بر امریکا کی پیچ در پیچ مصالحانہ تجاویز یا ہم کولمحوں کی آسائش دکھا کر اور لفظوں کے گھورکھ دھندے میں الجھا کر ہمارے ذہنوں سے امریکہ مخالف کنجلی نکالنا چاہتا ہے۔ہمیں اپنی تعبیر پر اصرار نہیں لیکن قارئین کی آسانی کے لیے ہم نے اس امریکی مہم کو آسان لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اگر اس کو مزید مختصر الفاظ دیئے جائیں تو امریکا قلب مسلم سے روح محمد نکالنے کے لیے پہلی سیڑھی کے طور پر مسلمانوں کے ذہن میں امریکا مخالف جذبے کھرچ دینا چاہتا ہے۔اب یہ ہماری آزمائش ہے کہ ہم اس کے سامنے شرماتے لجاتے جھک جاتے ہیں یا ایمان کی مضبوطی اور عزیمت واستقامت سے دلائل کے ساتھ ٹھنڈے ہو کر ڈٹ جاتے ہیں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیق الا بالله

درسِ قرآن

سورة الفاتحہ ❶

...... اردو ترجمہ ......

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۲۳۰ھ)

...... حواشی ......

①......احادیث التفاسیر (حضرت مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ۔م:۱۲۳۰ھ)

②......احسن الفوائد (مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔م:۱۳۳۸ھ)

سُوْرَۃ الفَاتحہ(۱) :مَکیّہ:وھی سبع ایات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ (۲)

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نعمت دینے والا ہے۔''

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴾

''سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ بہت مہربان نہایت رحم والا۔ مالک انصاف کے دن کا(۳) تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی۔ راہ(۴) اُن کی جن پر تو نے فضل کیا۔ ❶ نہ(۵) جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے ❷ ۔''(۶)

احادیث التفاسیر

سورۃ کے چند نام:

(ف ا): سب سورتوں کے نام اور سب سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے بتلانے سے ہے یعنی کسی کی رائے اور قیاس سے نہیں ہے۔

اس سورہ کو فاتحہ اس لیے کہتے ہیں کہ قرآنِ شریف اسی سے شروع ہوتا ہے اور نماز کی قراءۃ بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔

اس کا نام **سورۂ شفا** بھی ہے۔دارمی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''سورہ فاتحہ ہر زہر سے شفا ہے۔''

اس کا نام **سورۃ الکنز** بھی ہے کیوں کہ یہ ان خزانوں میں سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہیں۔

اس کا نام **سورۃ المناجاۃ** بھی ہے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں اس کو شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک آیت کا جواب فرماتا ہے یعنی اس کی عرض کو سنتا ہے اور انعام وعطا کا وعدہ فرماتا چلا جاتا ہے۔

اس کا نام **سورۃ الرقیۃ** بھی ہے کیوں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک بیمار پر تین دن صبح شام اس کا دم کیا تو وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

اس کا نام **سورۃ الاساس** بھی ہے کیوں کہ یہ رکن ہے نماز کا اور نماز رکن ہے دین کا تو گویا کل بنا اور رکن یہ ہوئی۔

اس کا نام **سورۃ الصلوٰۃ** بھی ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر نماز

نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدی کی نہ منفرد کی۔

اس کا نام سورۃ النور بھی ہے اس واسطے کہ نور ذات وصفات اور عبادت وہدایت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی نام ہیں۔

[تفسیر رحمانی مصری ص:۱۰، ۱۱، ۱۲]

اس سورۂ مبارک کے کچھ فضائل اور مسائل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت ﴿ اذا قرء القرآن فاستمعوا له ﴾ کے بیان میں لکھے جائیں گے۔

(ف۲): قرآنِ مجید کی جب تلاوت شروع کرے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فاذا قرأت القران فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم ﴾

یعنی ''جب تو قرآن پڑھے تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم کے شر سے۔'' [النحل: ۱٦/۹۸]

بسم اللہ کے بارے میں تفسیر ترجمان القرآن میں ہے کہ ''سارے علماء کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ ایک سورہ کا دوسری سورۃ سے فرق نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ بسم اللہ اترتی۔'' یعنی جب بسم اللہ اترتی تب آپ جانتے کہ اب دوسری سورہ شروع ہوئی (اس کو ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ ہر سورۃِ قرآن کی ایک مستقل آیت ہے۔ پس چاہیے کہ جب قرآن شریف کی کوئی سورۃ نماز میں یا تلاوت میں پڑھے تو بالضرور پہلے بسم اللہ پڑھے، اور جس نماز میں قراءۃ جہر کے ساتھ یعنی آواز سے پڑھی جاتی ہے اس میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے اور آہستہ پڑھنا بھی آیا ہے دونوں باتیں سنت ہیں۔

[نیل، ص:۹۰، ج:۲]

یعنی نماز میں جب قراءۃ کی جاتی ہے تب الحمد کے شروع پر اور سورۃ کے شروع پر اگر بسم اللہ کو بھی بہ آواز پڑھے تو بھی سنت ہے کیوں کہ دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کے زور سے پڑھنے کی روایتوں کے مقابل آہستہ پڑھنے کی روایتیں زیادہ ہیں تو اولیٰ یہ ہوگا کہ اکثر آہستہ پڑھا کرے اور کبھی کبھی زور سے پڑھا کرے۔ البتہ اس نظر سے کہ لوگ اس مسئلے کو چھوڑ بیٹھے ہیں یعنی بسم اللہ کا نماز میں زور سے پڑھنا چھوٹ گیا ہے اگر اکثر آواز ہی سے پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ زیادہ ثواب کی امید ہے کیوں کہ اس صورت میں مردہ سنت کا زندہ کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ف۳): انصاف کے دن کے مالک ہونے سے یہ مطلب نہیں کہ اَور دنوں کا وہ مالک نہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں مجازی طور پر اَور لوگ بھی حاکم اور بادشاہ کہلاتے تھے اور حکم چلاتے تھے اُس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا اور کوئی بادشاہ اور حاکم نہیں کہلائے گا، اور اُس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

﴿ لمن الملك اليوم ﴾ یعنی ''آج کس کا راج ہے؟ آج کہاں ہیں بادشاہ، کہاں ہے جبر اور تکبر کرنے والے؟''

(ف۴): ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صراط مستقیم سے مراد قرآن وحدیث کی پیروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ترمذی [ص:۱۲۸، ج:۲] اور صحیح مسلم [ص:۲۷۹ و ۲۸۰، ج:۲] وغیرہ کی روایتوں سے بھی صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد قرآن وحدیث کی پیروی ہے۔

(ف۵): لفظ غیر جمہور کے نزدیک الذین سے معنی کے اوپر بدل ہے، یا علیھم کے ضمیر سے بدل ہے۔ اور یہ اعتراض کہ غیر وصف کے واسطے ہے اور وصف کو بدل واقع ہونا ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غیر کا استعمال اسم کے طور پر ہوا ہے، مثلاً غیرك يفعل كذا پس اس کا بدل واقع ہونا جائز ہوا۔ سیبویہ نے کہا ہے کہ غیر، الذین کی صفت ہے۔ [جلالین]

(ف٦): مغضوب علیھم یہود اور ضالین نصاریٰ ہیں۔

[ترمذی، ج:۲، ص:۱۳٤ مرفوعا]

احسن الفوائد

❶: ''جن پر تو نے فضل کیا۔'' ان سے چار فرقے مراد ہیں: نبیین اور صدیقین وشہداء وصالحین۔

❷: ''جن پر غصہ ہوا'' اُن سے یہود اور ''گمراہوں'' سے

نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ سورت اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں۔

احادیث التفاسیر

فاتحہ خلف الامام:

عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» [متفق عليه، بخاري، رقم: ٧٥٦۔ مسلم، رقم: ٣٩٤]

''یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے''یعنی الحمد کو۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور متفق علیہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہو۔ حدیث صحیح کے سات درجے ہیں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہو۔[نخبۃ الفکر مطبوعہ نظامی، ص:۱۵،۱۶]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی صحیح ہے کہ اس سے بڑھ کر صحیح کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ سو اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ بعض اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کامل نہیں ہوتی یعنی جائز تو ہے پر کامل ثواب نہیں ہوتا، اس لیے کہ ترمذی وغیرہ کی بعض روایتوں میں یہ لفظ آئے ہیں «فهي خداج»یعنی وہ نماز ناقص ہے جس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے پر اُس میں نقصان رہتا ہے۔

لیکن یہ مطلب بنتا نہیں اس لیے کہ 'خداج' کے معنی اگر چہ ناقص کے بھی لکھے ہیں لیکن اصل معنی اس کے نقصان کے ہیں کیوں کہ یہ لفظ مصدر ہے۔ چناں چہ مجمع البحار، صراح، منتہی الارب میں نقصان ہی کے معنے لکھے ہیں اور مجمع البحار میں کہا ہے کہ اس حدیث میں خداج مصدر کا لفظ مبالغہ یعنی شدتِ نقصان کی غرض سے بولا گیا ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نماز ایسی نقصان والی ہے کہ گویا مجسم نقصان ہی نقصان ہے کچھ بھی کار آمد نہیں۔ اس نماز کا پڑھنا نہ پڑھنے کے برابر ہے، جس طرح ادھورا بچہ جو حمل سے ساقط ہو جاتا ہے اُس کا پیدا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے، کیوں کہ بچے کے پیدا ہونے سے جو مقصود ہوتا ہے وہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اس کی تائید خود حدیث کے لفظ میں موجود ہے، ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہیں:

«لَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ لَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»

[دار قطني مطبوعه انصاري، ص:١٢٢]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''وہ نماز جائز نہیں ہوتی جس میں آدمی سورۂ الحمد نہ پڑھے۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہے:

«لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ لَا يُقْرَءُ فِيْهَا فَاتِحَةُ الْكِتَابِ»

[فتح الباري انصاري پاره سوم، ص:٤١٥]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''وہ نماز قبول نہیں ہوتی جس میں سورۂ الحمد نہ پڑھی جائے۔''

ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہے:«كُلُّ صَلٰوةٍ لَمْ يُقْرَءْ فِيْهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ مُخْدِجَةٌ» [جزء القراءۃ فاروقی دہلی، ص:۴]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''جس نماز میں الحمد نہیں پڑھی گئی اُس کی مثال ایسی ہے جیسا ادھورا بچہ (حمل میں سے ساقط ہو گیا۔)''

یعنی جس طرح وہ بچہ نام کے اعتبار سے پیدا تو ہوا لیکن کچھ کام نہ آیا۔ اسی طرح یہ نماز نام کے لحاظ سے نماز ہے لیکن کار آمد کچھ بھی نہیں۔ مجمع البحار اور صراح میں ہے کہ جو بچہ حمل کی مدت سے کم میں پیدا ہو مگر ہاتھ پاؤں وغیرہ سے صحیح سلامت جیتا جاگتا ہو تو اُس کو خدیج کہتے ہیں۔ اور جو بچہ ادھورا پیدا ہو یعنی جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ بعض جسم بنا تھا اور بعض نہیں بنا اُس کو 'مُخْدِج' کہتے ہیں۔

جزء القراءۃ (فاروقی، ص:۴۸) میں ہے کہ جب اونٹنی کا حمل ساقط ہو جاتا ہے تو عرب کے محاورے میں بولتے ہیں: ''اَخْدَجَتِ

النَّــاقَة" یعنی اونٹنی نے حمل گرادیا، اسقاط کا بچہ مردہ اور نا کارہ ہوتا ہے۔ حدیث مذکورہ بالا میں مُخْدِجَة کا لفظ موجود ہے۔ پس جب خود حدیثوں میں یہ لفظ آ گئے کہ "جائز نہیں"۔ "قبول نہیں"۔ "ادھورے اور مردہ بچے کی مانند ہے" تو حدیث ((لا صلوۃ)) کے یہ معنی کیوں کر بن سکتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے مگر ثواب میں نقصان رہتا ہے؟! بلکہ یہی معنی ہوئے کہ وہ نماز ہوتی ہی نہیں۔

فاتحہ خلف الامام کے متعلق چند اشکالات اور ان کے جوابات:

اشکال ①: بعض کہتے ہیں کہ اس میں مقتدی کا نام نہیں ہے پس مقتدی کی نماز ہو جائے گی اور اس کی تائید میں حدیث بھی موجود ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ((من کان لہ امام فقراء تہ لہ قراۃ)) یعنی "جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے پس امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے۔"

نیز بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((لا قراءۃ خلف الامام)) یعنی "جب کوئی امام کے پیچھے ہو تو اُس کو قراءۃ نہیں کرنی چاہیے۔"

بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((تکفیك قراءۃ الامام)) یعنی "امام کی قراءۃ تجھ کو کفایت کرتی ہے۔"

بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((الا ان یکون وراء الامام)) یعنی "قراءۃ واجب ہے لیکن امام کے پیچھے ہو تو واجب نہیں۔"

جواب: مگر ان دلیلوں سے بھی کام نہیں نکلتا۔ کیوں کہ دارقطنی نے اپنی کتاب میں ان سب حدیثوں کو روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ اَور بھی بعض روایتیں اس مضمون کی لائے ہیں۔ لیکن سوائے موقوف اور مرسل سندوں کے مرفوع متصل سندیں جس قدر ہیں سب ہی کو ضعیف کہا ہے۔ [دارقطنی، مطبوعہ فاروقی، ص:۱۲۳و۱۲۶وغیرہ]

ظاہر بات ہے کہ جب تک مرفوع اور متصل سند صحت کو نہ پہنچے تب تک کافی نہیں ہوسکتی۔ مرفوع متصل صحیح اُس کو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا قول ہو اور راویوں کا سلسلہ درمیان میں منقطع نہ ہو اور سب راوی پکے ہوں ضعیف نہ ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس مضمون کی سب روایتوں کو ضعیف کہا ہے۔ [تخریج ہدایہ فاروقی، ص:۹۳ وغیرہ]

تعلیق المغنی حاشیہ دارقطنی میں ہے سلمہ بن محمد فقیہ نے بیان کیا کہ میں نے حافظ الحدیث ابوموسیٰ رازی سے حدیث ((من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ)) کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس مضمون کی مرفوع روایت یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول تو صحیح سند کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے، ہمارے مشائخ نے اس مسئلے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول پر اعتماد کر لیا ہے۔ [دارقطنی فاروقی، ص:۱۲۳]

تلخیص الحبیر میں ہے کہ حدیث من کان لہ امام الخ مشہور ہے اور بہت سندوں سے آئی ہے لیکن کوئی سند علت سے خالی نہیں سب ہی میں کچھ نہ کچھ علت ہے۔ [تلخیص فاروقی، ص:۸۷]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث نہ علمائے عرب کے نزدیک ثابت ہوئی نہ اہل عراق کے اور نہ کسی اور کے، اس کی روایتیں مرسل ہیں یا منقطع ہیں، یعنی بیچ میں سے راوی چھوٹ گئے ہیں [جزء القراءۃ فاروقی، ص:۷]۔ فتح الباری [مطبوعہ انصاری، ص:۴۱۵] میں ہے کہ جو لوگ حدیثوں کے جاننے اور پرکھنے والے ہیں اُن کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

پس حدیث لا صلوٰۃ کا حکم عام ہر نمازی کے حق میں ثابت رہا، امام ہو یا اکیلا یا مقتدی۔ کیوں کہ جس طرح امام اور اکیلے کی نماز کو نماز کہتے ہیں اسی طرح مقتدیوں کی نماز بھی نماز ہی ہے۔ اور نماز بدون الحمد کے ہوتی نہیں۔ البتہ اگر حدیث من کان لہ امام الخ وغیرہ صحیح سند سے ثابت ہو جاتیں تو یہ بات ضرور ماننی پڑتی کہ مقتدی اُس عام حکم سے مستثنیٰ ہے اور جب استثنا کا ثبوت نہ ہوا تو مقتدی پر الحمد کا پڑھنا لازم رہا۔

اشکال ②: بعض کہتے ہیں کہ حدیث لاصلوٰۃ الخ میں مقتدی کا نام نہیں ہے۔ تو پھر مقتدی کی نماز الحمد کے بغیر کیوں نہ ہوگی۔

جواب: لیکن یہ بات بھی نہیں چل سکتی کیوں کہ نام تو امام اور اکیلے کا بھی نہیں ہے۔ اگر نام نہ ہونے سے وجوب ساقط ہوتا ہے تو چاہیے کہ امام اور اکیلے پر بھی الحمد کا پڑھنا واجب نہ ہو۔ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ نام تو تینوں کا نہیں مگر دو پر واجب اور ایک کو منع! یہ بات تو تب ہی

بن سکتی تھی جب کہ مقتدی کی خصوصیت یا استثناوالی حدیثیں صحیح سند سے ثابت ہو جاتیں۔مگر تقدیر الٰہی سے وہ حدیثیں ثبوت کو نہ پہنچیں اور اُس کا خلاف ثابت ہے یعنی وہ حدیث جس میں مقتدیوں کے واسطے صاف اور صریح لفظوں میں یہ حکم موجود ہے کہ ''الحمد پڑھا کرو، الحمد کے بغیر نماز نہ ہو گی صحیح سند سے موجود ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال صلّى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح فثقلت عليه القراءة فلما انصرف قال: ((إني لأراكم تقرؤون من وراء إمامكم؟)) قال: قلنا: اجل والله يا رسول الله هذا۔ قال: ((فلا تفعلوا الا بأم القران فإنه لا صلوة لمن لم يقرء بها))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور آپ کو قراءۃ کرنا دشوار ہوا۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ شاید تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ! ہم لوگ جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ فرمایا: اور کچھ مت پڑھا کرو، صرف الحمد پڑھ لیا کرو کیوں کہ اُس کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی۔'' [دار قطنی، ص: ۱۲۰ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن یعنی اچھی سند کی ہے۔]

دوسرے صفحے میں اس مضمون کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ یعنی پکے ہیں۔تخریج ہدایہ میں اس مضمون کی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ ابوداؤد میں بھی ایسی ہی سند سے ہے جس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور ترمذی نے کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔خطابی نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے۔اس میں کوئی راوی ایسا نہیں جس پر طعن ہو سکے۔حاکم نے کہا کہ اس حدیث کی سند ٹھیک اور ثابت ہے۔ [تخریج فاروقی، ص:۹۴]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[جزء القراءۃ فاروقی، ص:۳۲ وغیرہ] ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے بھی حدیث قراءۃ خلف الامام کو صحیح بتایا ہے۔[تلخیص فاروقی، ص:۸۷]

بعض لوگ اس حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ میں ابن اسحٰق وغیرہ کی وجہ سے کچھ کلام کرتے ہیں سو اس کی خوب خوب تنقیحیں ہو چکی ہیں جس کا جی چاہے وہ رسالہ البرهان الجلي وتعليم المبتدی (مطبوعہ بنارس) اور هدايت المعتدی (مطبوعہ فاروقی) کو دیکھے۔علاوہ بریں بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ تو کامل طور پر حدیث متفق علیہ سے ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔اگر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہوتی ہی نہ تب بھی کوئی حرج نہیں تھا۔اب جو ہے تو اس حدیث کی تفسیر بالتشریح ہے سو اتنی بات کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ گفتگو تو بر سبیل تنزل کی جا رہی ہے ورنہ بخاری، ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی، خطابی، حاکم، ابن حبان، بیہقی جیسے امام اور حافظ الحدیث جب اس حدیث کو صحیح کہہ چکے تو اُن کے بعد تمام دنیا میں ایسا کون ہے جس کی بات اِس جماعت کی بات کو باطل اور بے کار ثابت کر سکے۔ ایک اکیلے بخاری رحمہ اللہ ہی کو اللہ تعالیٰ نے اِس فن میں وہ مرتبہ دیا ہے کہ اس کی مخالفت کرنی لوہے کے چنے ہیں اور جب کہ اور بھی کتنے امام اور حفاظ اس کے ساتھ ہوں تو پھر اس بات کا رد کہاں؟ [جاری ہے]



افتاء

(۱)...... ایام حیض کے بعد آنے والا خون
(۲)...... زمانہ حمل میں آنے والا خون
(۳)...... خورد ونوش کی اشیاء میں سرکہ وغیرہ کا استعمال

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زینب کوابتدا ہی سے ایامِ حیض کے سات (۷) یوم تھے، مگر صورت اس کی یہ رہی کہ پاکی کے بعد غسل کرکے وہ نماز پڑھنے لگتی، تو پھر خون آجاتا، صرف ایک دفعہ دکھلا کر بند ہوجاتا، پھر غسل کرکے نماز پڑھتی۔ اب ایسی صورت ہوگئی ہے کہ چار روز خون آکر بند ہوگیا تو غسل کرکے نماز پڑھنے لگتی، پھر پانچویں روز خون جاری ہوگیا، ایسی حالت میں اب زینب کیا کرے۔ نماز ادا کرے، یا قضا کرے، قرآن وحدیث کے موافق جو حکم ہو بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ [محمد احسن، پٹنہ]

جواب: الجواب وہو الموفق للصدق والصواب۔ صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو کہ زینب کے جو ایام ماہواری آتے تھے ان میں اگر اس کے خون کا ظہور ہوا، یعنی خون آجائے تو وہ حیض ہی میں شمار ہوگا، اور یہ بند ہوجانا بوجہ کسی عارضہ کے ہے۔ زینب خون جاری رہنے کے وقت نماز نہ پڑھے، وہ اس کا حیض ہے جب کہ یہ خون اس کے ایامِ ماہواری میں آیا ہے۔ ہاں اگر خون ایام ماہواری کے علاوہ نظر آئے تو وہ استحاضہ، بیماری ہے۔ اس میں وہ نماز پڑھے، قضا وغیرہ کوئی نہیں۔

وجاء فی الحدیث:

فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلوة واذا ادبرت فاغتسلی وصلی ۔ [صحیح بخاری: ۳۳۱]

یعنی ''فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ جب عورت کو حیض آئے (اس کے ماہواری کے ایام میں) تو وہ نماز چھوڑ دے اور جب وہ ایام گزر جائیں تو وہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔ عورتیں اپنے خون حیض کو خوب پہچانتی ہیں اور خون حیض وخون استحاضہ میں باعتبار رنگ وبو وغیرہ بھی فرق ہے۔'' [مطبوعہ ۷/ ۱ مارچ ۱۹۵۰ء]

از: ابومحمد عبدالجبار السّلفی، دربھنگہ

سوال: مریم کو زمانہ حمل میں بھی ہر ماہ ایام ماہواری برابر جاری رہے۔ ایسی حالت میں نماز کو ادا کرے یا قضا کرے، از روئے شریعت بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ [محمد احسن، پٹنہ]

جواب: مریم کو اگر حمل کی مدت میں برابر ایام ماہواری آتے ہیں تو وہ اس کا خون حیض ہے، بعض اوقات حمل کی حالت میں رحم کا منہ کھل جاتا ہے۔ وہ نماز نہ پڑھے جب تک کہ اس کے ایام ماہواری میں خون آتا ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حاملہ عورت اگر خون دیکھے تو نماز چھوڑ دے۔

عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت فی المرأة الحامل تری الدم انها تدع الصلوة ۔ [رواه مالك فی الموطا، ص: ٤٤، كتاب الطهارة، باب جامع الحيضة]

یہی مذہب امام مالک اور شافعی کا ہے۔ لیکن حنفیہ حاملہ کے خون کو حیض قرار نہیں دیتے، یہ ان کا اجتہاد ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ جب ایام ماہواری میں یہ خون جاری ہے تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائے، حضرت عائشہ صدیقہ کے اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللّٰہ اعلم عند اللّٰہ ...... [مطبوعہ ۷/ ۱ مارچ ۱۹۵۰ء] از: ابومحمد عبدالجبار السّلفی، دربھنگہ

سوال: بسکٹ، ڈبل روٹی، کلچہ وغیرہ میں تاڑی یا گاد تلچھٹ کا خمیر دیا جاتا ہے، اور تاڑی بداہۃً خود حرام ہے تو بسکٹ، ڈبل روٹی کھانا اور بنانا اور اس کی تجارت کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے یا نہیں؟ اگر حرام نہیں ہے، تو پھر شراب یا تاڑی کا سرکہ بنانے کو شریعت نے کیوں منع کیا ہے؟ صحیح حدیثوں اور آیتوں سے بیان

فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔[محمد احسن، پٹنہ]

جواب: ڈبل روٹی، کلچہ وغیرہ میں اگر تاڑی وغیرہ کا خمیر دیا جاتا ہے اور اس امر کا یقین ہے تو اس کو نہ کھانا چاہیے اور نہ اس کی تجارت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ شراب کا سرکہ بنانا حدیث میں منع آیا ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر مسلم یہ کام کرے اور کوئی مسلمان اس سے خرید کر اس کو فروخت یا استعمال کرے تو اس کا جواز ابودرداء رضی اللہ عنہ صحابی کے ایک اثر سے معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ تاڑی وغیرہ کا خمیر بن کر اس میں سکر (نشہ) نہیں رہتا ہے بلکہ آٹے کے ساتھ مل کر اس کا نشہ زائل ہو جاتا ہے جیسے سرکاری دواخانہ کی دوائیں، ان میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے یعنی کچھ عکس شراب کا بھی ہوتا ہے لیکن اور اجزائے ادویہ کے ساتھ مل کر اس کا سکر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے انگریزی ادویہ کا استعمال اور فروخت کرنے کا بھی جواز ہے۔

چناں چہ ابودرداء صحابی نینان خمیری کا استعمال جائز سمجھتے تھے۔

[صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب قول اللہ تعالیٰ احل لکم صید البحر]

نینان خمیری اس شراب کے سرکہ کو کہتے ہیں کہ جس کو غیر مسلم لوگ مچھلی ڈال کر کے بنایا کرتے تھے۔ لیکن کسی مسلم شخص کو اس طرح کرنا ہرگز درست نہیں ہے اور تقویٰ یہی ہے کہ اس سے بچے۔ کیوں کہ یہ ایک صحابی کی رائے ہے قرآن وحدیث کا حکم نہیں۔ ضرورت کی بنا پر بوجہ مجبوری اس پر عمل کر لیا جائے ورنہ یہی صورتیں رفتہ رفتہ فعل حرام تک پہنچ جاتی ہیں۔

امام ابویوسف اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا بسکٹ جو بذریعہ تاڑی وغیرہ ہو کھانا جائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک حرام ہے۔

[فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۱۱]

کیوں کہ حنفی مذہب میں سوائے شراب انگوری کے اور شرابیں حد سکر کو پہنچیں تو حرام ہیں، ورنہ حرام نہیں۔ پس تاڑی والا بسکٹ بوجہ عدم سکر کے ان کے نزدیک حلال ہے۔ حالاں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ [ابوداؤد: ۳۶۸۱، ترمذی: ۱۸۶۵، ابن ماجہ: ۳۳۹۳]

یعنی جو چیز سکر (نشہ) والی ہے وہ حرام ونجس ہے، چاہے وہ حد سکر کو تھوڑی پہنچے یا زیادہ۔

لیکن یہ قول امام صاحب کا متروک العمل ہے۔ چناں چہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

ایں قول امام ابوحنیفہ متروک است وفتویٰ بر قول محمد است۔

[مالابد منہ فارسی، صفحہ ۱۳۵]

پس امور محرمہ میں احتیاط ضروری ہے۔ ایسے بسکٹ ونان ڈبل روٹی جس کا خمیر تاڑی وغیرہ سے اٹھایا گیا ہو حرام اور نجس ہے۔ یہ اختلافات ائمہ وغیرہ کا محض اس مسئلہ کی آگاہی کے لیے لکھ دیئے ہیں ورنہ کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ بہت سے لوگ اپنے فائدہ کے لیے ایسے اقوال سے سند پکڑ لیتے ہیں اور صریح حرام کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ [مطبوعہ ۱۷/مارچ ۱۹۵۰ء] از: ابومحمد عبدالجبار السلفی، دربھنگہ

هذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب۔

❀❀............❀............❀❀

سیرت صحابہ

سعید بن عامر الجمحی رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن الرافت باشا کی کتاب سے
ترجمہ: مجیب الرحمٰن بن نذیر احمد (متعلّم انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد)

حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک ہیں جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ سے باہر مقام تنعیم پر صحابی رسول حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ جن کو کفار نے غداری سے گرفتار کرلیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی اور پرجوش شباب کے بل پر مجمع کو دھکیلتا اور اس میں سے اپنے لیے راستہ بناتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے رؤسائے قریش کے پہلو بہ پہلو جا کھڑا ہوا جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے۔ اس طرح اسے موقع ملا کہ وہ قریش کے قیدی کو دیکھ سکے جس کو پابہ زنجیر لایا گیا تھا جس کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان دھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے تاکہ اسے قتل کرکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لے سکیں اور جنگ بدر میں مارے جانے والے اپنے عزیز و اقارب کا بدلہ چکا سکیں۔

جب یہ زبردست ہجوم اپنے قیدیوں کو لیے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گیا جو اس کے قتل کے لیے بنائی گئی تھی تو نوجوان سعید بن عامر ایک جگہ رک کر ہجوم کے درمیان سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار اور شور و غل کے درمیان سے ابھرتی ہوئی خبیب رضی اللہ عنہ کی وہ باوقار پرسکون آواز سنی۔

''اگر تم چاہو تو قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کا موقع دے دو۔''

پھر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے قبلہ رو ہو کر دو رکعات ادا کیں۔ آہ! کتنی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دو رکعات۔ پھر اس نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے قریش کے لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت کے ڈر سے نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں نماز کو اور زیادہ اطمینان کے ساتھ پڑھتا۔''

پھر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ خبیب کا مثلہ کر رہے ہیں۔ ان کے جسم کو یکے بعد دیگرے کاٹ رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ ہوتے اور تم اس تکلیف سے بچ جاتے؟ تو خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس حالت میں کہ ان کے جسم سے خون جاری تھا:

''واللہ! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میں امن اور سکون کے ساتھ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہوں اور ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی لگ جائے۔''

یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کیا اور پکارنے لگے ''مار ڈالو اسے، قتل کر دو اسے۔''

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے تختہ دار ہی سے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

" اَللّٰھُمَّ احْصِھِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْھُمْ بَدَدًا، وَلَا تُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا۔"

''اے اللہ! ان کو ایک ایک کرکے گن لے اور انہیں ایک ایک کرکے ہلاک کر دے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔''

پھر انہوں نے آخری سانس لی اور ان کی روح اللہ کی طرف پرواز کر گئی۔ اس وقت ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے بے شمار زخم تھے۔

اس کے بعد قریش مکہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات وحادثات کے ہجوم میں خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے قتل کا واقعہ ان کے ذہنوں سے اوجھل ہوگیا۔ لیکن نوجوان سعید بن عامر رضی اللہ عنہ خبیب رضی اللہ عنہ کی مظلومیت اور ان کے دردناک قتل کے اس منظر کو اپنے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے بھی بھلا نہ سکے۔ وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور اگر بیدار ہوتا تو اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا۔

یہ منظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتا کہ خبیب رضی اللہ عنہ تختہ دار کے سامنے کھڑے بڑے سکون واطمینان سے دو رکعات ادا کر رہے ہیں اور ان کے کانوں سے ہر وقت ان کی وہ دردبھری آواز ٹکراتی رہتی جب وہ قریش کے لیے بددعا کر رہے تھے اور سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت اس بات کا ڈر لگا رہتا کہ کہیں آسمان سے کوئی بجلی یا کوئی چٹان گر کر اسے ہلاک نہ کردے۔

پھر سعید بن عامر کو خبیب رضی اللہ عنہ کی وہ باتیں سکھلا دیں جو پہلے اس کے علم میں نہ تھیں۔

خبیب رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ سچے عقیدے کے ساتھ چمٹا رہے اور زندگی کی آخری سانس تک خدا کی راہ میں جدوجہد کرتا رہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ ایمان راسخ کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اور اس سے کتنے افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں جن سے عقل دنگ اور حیران رہ جاتی ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ نے ایک اور بڑی اہم حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ شخص جس سے اس کے صحابہ (ساتھی) اس طرح بڑھ کر محبت کرتے ہیں وہ واقعی برحق رسول ہے اور سچا نبی ہے اور اسے آسمانی مدد حاصل ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچا اور قریش اور ان کے کالے کرتوتوں سے اپنی بے زاری وبرأت اور اپنے دخولِ اسلام کا برملا اعلان کردیا۔

اس کے بعد حضرت سعید بن عامر ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے اور مستقل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرلی اور غزوۂ خیبر اور بعد کے تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خلفاء حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں شمشیر برہنہ بن گئے۔

انہوں نے اپنی تمام جسمانی اور نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کرکے اپنی زندگی کو اس مومن صادق کی زندگی کا بے مثال نمونہ بنا کر پیش کیا جس نے دنیوی عیش وعشرت کے عوض آخرت کی ابدی زندگی کا سودا کرلیا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں جانشین اور خلیفہ ان کی نصیحتوں کو بہت توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں پر پورا دھیان دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: عمر رضی اللہ عنہ! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ رعایا کے بارے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور خدا کے معاملے میں لوگوں کا خوف نہ کرنا، اور اپنے قول وفعل میں تضاد نہ آنے دینا، بہترین قول وہی ہے جس کی تصدیق عمل کرتا ہے۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

عمر رضی اللہ عنہ! دور ونزدیک کے ان تمام مسلمانوں پر ہمیشہ اپنی توجہ مرکوز رکھنا جن کی ذمہ داری اللہ نے آپ پر ڈالی ہے۔ ان کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کرتے ہو اور حق کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرے کی بھی پرواہ نہ کرنا اور اللہ کے معاملات میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں۔

سعید رضی اللہ عنہ یہ کس کے بس کی بات ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ باتیں سن کر کہا۔

یہ آپ رضی اللہ عنہ (عمر) جیسے شخص کی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دار بنایا ہے، جس کے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس گفتگو کے بعد خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا:

''سعید رضی اللہ عنہ! میں آپ کو حمص کا گورنر بنا رہا ہوں۔''

عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ان کا جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''خدا تمہارا بھلا کرے تم لوگ حکومت کی بھاری ذمہ داری میرے سر ڈال کر خود اس سے کنارہ کش ہو رہے ہو۔ خدا کی قسم میں تم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''حمص'' کی گورنری ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہارے لیے تنخواہ نہ مقرر کر دوں؟

امیر المومنین رضی اللہ عنہ! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بیت المال سے جو وظیفہ مجھے ملتا ہے وہ میری ضروریات سے زائد ہے۔ حضرت سعید بن عامر نے کہا اور حمص کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس کے کچھ ہی دنوں بعد اہل حمص کے قابل اعتماد لوگوں کا ایک وفد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا مجھے اپنے فقراء اور ضرورت مندوں کے نام لکھ کر دو تا کہ میں ان کی ضروریات کا انتظام کر سکوں۔ انہوں نے خلیفہ کے سامنے جو فہرست پیش کی اس میں تھا: فلاں ابن فلاں اور سعید بن عامر رضی اللہ عنہ۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ؟ کون سعید بن عامر رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہمارے گورنر، ارکانِ وفد نے جواب دیا۔

تمہارا گورنر؟ کیا تمہارا گورنر غریب اور فقیر ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید حیرت سے پوچھا: جی ہاں، امیر المومنین! خدا کی قسم! کتنے ہی دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ ان کے گھر میں آگ نہیں جلتی۔

وفد نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر وہ اٹھے اور ایک ہزار دینار تھیلی میں رکھ کر ارکان وفد کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ امیر المومنین نے یہ مال بھیجا ہے تا کہ آپ اس سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ وفد کے لوگ دینار لے کر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیناران کے سامنے پیش کر دیے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے ان دیناروں کو اپنے سے دور ہٹاتے ہوئے کہا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جیسے ان پر کوئی آفت آن پڑی ہو آواز سن کر ان کی بیوی گھبرائی ہوئی آئی اور کہا سعید رضی اللہ عنہ کیا بات ہے؟ کیا امیر المومنین رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے ہیں۔ نہیں اس سے بھی بڑا احادثہ رونما ہوا ہے۔

کیا کسی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے؟

بیوی نے سوال کیا۔

نہیں اس سے بھی بڑی آفت آ پڑی ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

اس سے بڑی افتاد اور کیا ہو سکتی ہے؟ بیوی نے پھر پوچھا۔

دنیا میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے تا کہ میری آخرت کو تباہ کر دے۔

اس سے چھٹکارا حاصل کر لو، بیوی نے ہمدردانہ مشورہ دیا۔

کیا تم میری مدد کر سکتی ہو؟

ہاں کیوں نہیں۔ پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے تمام دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں رکھ کر انہیں غریب اور یتیم مسلمانوں میں تقسیم کر دا۔ اس بات کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تشریف لائے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حمص پہنچے (اس زمانہ میں حمص کو کُوَيْفَه بھی کہا جاتا تھا اس لیے کہ وہاں کے لوگ بھی اہل کوفہ کی طرح اپنے عمال اور حکام کی بہت شکائتیں کرتے تھے۔) جب اہل حمص خلیفہ سے سلام وملاقات کے لیے

ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے اس نئے امیر کو کیسا پایا؟

جواب میں انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی چار شکایتیں پیش کیں جن میں سے ہر ایک شکایت دوسری سے بڑی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو اور سعید رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے حسن ظن کو صدمہ نہ پہنچائے۔ کیوں کہ میں ان کے متعلق بہت اچھا گمان کرتا تھا۔

جب شکایت کرنے والے اور ان کے امیر حضرت سعید رضی اللہ عنہ اکٹھے ہوگئے تو میں (عمر رضی اللہ عنہ) نے دریافت کیا کہ تم کو اپنے امیر سے کیا شکایت ہے؟

انہوں نے پہلی شکایت یہ کی کہ جب تک خوب دن روشن نہیں ہوجاتا یہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

میں نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سعید رضی اللہ عنہ تم اس شکایت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر خاموشی کو توڑتے ہوئے بولے۔ خدا کی قسم! میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب ظاہر کیے بغیر نجات نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادمہ نہیں ہے۔ اس لیے میں ذرا جلدی اٹھتا ہوں اور پہلے آٹا گوندھتا ہوں، پھر تھوڑی دیر انتظار کرتا ہوں تا کہ آٹا خمیر زدہ ہوجائے۔ پھر روٹیاں پکاتا ہوں اس کے بعد وضو کر کے لوگوں کی ضرورت کے لیے باہر نکل آتا ہوں۔

میں نے اہل حمص سے پوچھا کہ تمہاری دوسری شکایت کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ یہ رات کے وقت کسی کا جواب نہیں دیتے۔

میں نے پوچھا اے سعید رضی اللہ عنہ! کیا تم اس شکایت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم! میں اس بات کو بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن ظاہر کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

میں نے دن کے اوقات ان کے لیے اور رات کے اوقات اپنے ربّ کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔

(عمر رضی اللہ عنہ) نے معترضین سے کہا کہ تمہاری تیسری شکایت کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ یہ مہینہ میں ایک دن ہمارے پاس حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے کہا، تم اس شکایت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ کوئی اور لباس نہیں ہے۔ میں ان کو مہینے میں صرف ایک بار دھوتا ہوں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار کرتا ہوں اور خشک ہونے کے بعد ان کو پہنتا ہوں اور انہیں پہن کر باہر آتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معترضین سے ان کی آخری شکایت پوچھی۔

معترضین نے کہا کہ کبھی کبھی ان پر غشی طاری ہوجاتی ہے اور یہ اپنے اردگرد کے لوگوں سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت اس مقام پر موجود تھا۔ لیکن اس وقت میں مشرک تھا۔ میں نے قریش کو دیکھا کہ وہ ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ آج تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟

تو وہ جواب دیتے خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اطمینان وسکون سے اہل وعیال کے ساتھ رہوں اور ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔

خدا کی قسم! جب مجھ کو یہ منظر یاد آتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آتا ہے کہ میں نے اس وقت ان کی مدد کیوں نہ کی تو مجھے اس بات کا شدید خدشہ لاحق ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اسی وقت مجھ پر غشی طاری ہوجاتی ہے۔

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کا شکر ہے اس نے سعید رضی اللہ عنہ کے متعلق میرے حسن ظن کو صدمہ نہیں پہنچنے دیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک ہزار دینار بھیجے تا کہ ان سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں۔

جب ان کی بیوی نے ان دیناروں کو دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا اور کہا خدا نے ہم کو آپ کی خدمت سے بے نیاز کر دیا۔ اب آپ رضی اللہ عنہ اس رقم سے ایک غلام اور ایک خادمہ خرید لائیں۔

یہ سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی ضرورت نہیں ہے؟

اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ بیوی نے پوچھا:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ رقم ہم اس کے پاس جمع کروا دیں جو ہم کو اس وقت واپس کر دے جب ہم اس کے زیادہ حاجت مند ہوں۔

اس کی کیا صورت ہے؟ اہلیہ نے وضاحت طلب کی۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہ رقم اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے دیں۔ اہلیہ کہنے لگی ہاں یہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ان تمام دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں تقسیم کر کے اپنے گھر کے آدمی سے کہا کہ

''انہیں فلاں قبیلے کی بیواؤں، فلاں قبیلے کے یتیموں، فلاں قبیلے کے مسکینوں اور فلاں قبیلے کے حاجت مندوں میں تقسیم کر دو۔''

اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ سے راضی ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خود محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔

یقیناً یہی صحابہ اس آیت کے مصداق ہیں۔

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

❀❀............❀............❀❀

استدراک

مدیر کی ڈاک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نور پوری بطرف جناب محترم حافظ احمد شاکر حفظہما اللہ القادر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! خیریت موجود و عافیت مطلوب۔ مؤقر جریدہ ''الاعتصام'' جلد نمبر ۶۱ کے شمارہ نمبر ۵۰ کے اداریے میں آپ لکھتے ہیں: ''کتب حدیث میں مخزومی قبیلے کی فاطمہ جس کا ہاتھ قصاص میں کٹنا تھا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے اسامہ بن زید نے جب سفارش کی'' الخ ''الدین النصیحہ'' اور ''ان ارید الا اصلاح ما استطعت'' الخ کے پیش نظر مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مخزومیہ عورت کا ہاتھ سرقہ اور چوری میں کٹنا تھا قصاص میں نہیں کٹنا تھا۔ چناں چہ صحیح بخاری میں ہے:

عن عائشة رضى الله عنها أن قريشا أهمتهم المرأة المخزومية التي سرقت، فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومن يجترئ عليه إلا أسامة حب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أتشفع فى حد من حدود الله؟ ثم قام فخطب، فقال: يا ايها الناس! إنما ضل من كان قبلكم أنهم كانوا إذا سرق الشريف تركوه وإذا سرق الضعيف فيهم أقاموا عليه الحد، وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها" [كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة فى الحد إذا رفع إلى السلطان]

تمام احباب واخوان کی خدمت میں تحیہ سلام پیش فرمادیں۔

عبدالحق

تحقیق وتنقید

ایک گواہ کے ہوتے ہوئے مدعی کی قسم کے ساتھ

فیصلہ کرنے کا سنت صحیحہ سے ثبوت

ڈاکٹر حافظ محمد شریف شاکر (جی سی یونیورسٹی فیصل آباد)

حدیث: ''امام مالک، جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔'' [امام مالك، المدونة الكبرىٰ: ۱۳/۴۹]

حدیث: مالک، ابوالزناد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب، جو کہ کوفہ کے گورنر تھے، کو لکھا کہ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیجیے۔

[الموطا، ص: ۲۶۳]

حدیث: مالک کو یہ بات پہنچی کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور سلیمان بن یسار دونوں سے پوچھا گیا کہ کیا ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟ تو دونوں نے کہا: ہاں۔

[الموطا، تحقيق بشار: ۲/۲۶۴]

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔'' [مختصر سنن ابی داؤد: ۵/۲۲۵]

شیخ ابوسلیمان خطابی (م ۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

یرید انه قضی للمدعی بیمینه مع شاهد واحد، کانه اقام الیمین مقام شاهد اخر، فصار کالشاهدین۔ [معالم السنن: ۵/۲۵۵]

''ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے مدعی کے لیے اس کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا، گویا آپ نے قسم کو دوسرے گواہ کے قائم مقام ٹھہرایا، تو یہ دو گواہوں کی طرح ہو گیا۔''

امام محمد حسن شیبانی مندرجہ بالا حدیث جعفر بن محمد تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

'' قال محمد وبلغنا عن النبی ﷺ خلاف ذلك وقال ذكر ذلك ابن ذئب عن ابن شهاب الزهری قال سألته عن الیمین مع الشاهد فقال بدعة واول من قضی بها معاویة وكان ابن شهاب اعلم عند اهل الحدیث بالمدینة۔'' [امام محمد، الموطا مع التعليق الممجد، ص: ۳۶۳]

''محمد (بن حسن شیبانی) نے کہا کہ ہمیں نبی ﷺ سے اس کے خلاف (مسئلہ) پہنچا ہے اور کہا کہ یہ (بات) ابن ابی ذئب نے ابن شہاب زہری سے نقل کی ہے، اس (ابن ابی ذئب) نے کہا کہ میں نے گواہ کے ساتھ قسم کے بارے میں آپ (زہری) سے پوچھا تو آپ نے کہا کہ یہ بدعت ہے اور اس کے ساتھ سب سے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا اور ابن شہاب مدینہ میں اہل حدیث کے ہاں سب سے زیادہ عالم تھے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ صحابی کا عمل بدعت نہیں بلکہ سنت کا مقام رکھتا ہے، جہاں تک ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ بدعت نہیں بلکہ سنت متواترہ کا مقام رکھتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' مضت السنة فی القضاء بالیمین مع الشاهد الواحد یحلف صاحب الحق مع شاهده ویستحق حقه فان نكل وابی ان یحلف، احلف المطلوب،

فـان حـلف سـقـط عـنـه ذلك الحق، وان ابی ان یـحـلف ثبـت عـلیه الحق لصاحبه ۔" [امـام مالك، الموطا تحقیق بشار: ۲/۲٦٤]

''ایک گواہ کے ہوتے ہوئے (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے میں سنت جاری ہوچکی،حق دار اپنے گواہ کے ساتھ قسم اٹھائے گا اور اپنے حق کا حق دار ٹھہرے گا۔ اگر وہ باز رہے اور قسم اٹھانے سے انکار کردے تو مطلوب (مدعی علیہ) سے قسم لی جائے۔ اگر یہ قسم اٹھالے تو اس سے وہ حق ساقط ہوجائے گا۔ اور اگر یہ (بھی) حلف سے انکار کردے تو اس پر اس کے ساتھی (مدعی) کا حق ثابت رہے گا۔''

امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ صرف اموال میں ہوگا۔ حدود، نکاح، طلاق، عتاقہ، سرقہ اور تہمت میں سے کسی میں واقع نہیں ہوگا۔ [نفس المرجع]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے ''کتاب العلل'' میں کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ ابوحاتم سے اور ابوزرعہ سے، اس حدیث کے بارے میں جسے ربیعہ نے سہیل بن ابی صالح سے اس نے اپنے باپ سے اس نے ابوہریرہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔ سوال کیا تو ان دونوں نے فرمایا: ''یہ صحیح ہے'' ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بعض رواۃ ''عـن سهیـل عـن ابیه عن زید بن ثابت'' کہتے ہیں، تو دونوں نے فرمایا: ''وهذا صحیح ایضا، هما جمیعا صحیحان'' یہ بھی صحیح ہے، یہ دونوں صحیح ہیں۔ [ابن قیم، سنن ابی داؤد: ۲۲٥/٥]

مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کی صحت سے اس مسئلہ کی صحت واضح ہوگئی، علاوہ ازیں درج ذیل احادیث اس کی تائید میں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) انَّ عـمارة بـن حـزم شهـد انَّ رسول اللّٰه صـلـی اللّٰه علیه وسلم قضٰی بالیمین مع الشاهد ۔ [الافکار الدولة، حدیث: ۲٤۲٥٤، ص: ۱۷۷۷]

''بلاشبہ عمارہ بن حزم نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

(۲) عـن سـعـد بـن عبـادة ان رسول اللـه ﷺ قـضـی بـالیـمین مع الشـاهد ۔ [نـفـس الـمـرجع، حدیث: ۲۲۸۲۷، ص: ۱٦٦۱]

(۳) عـن ابـن عبـاس ان رسـول الله ﷺ قضی بشاهد ویمین ۔ [نفس المرجع، حدیث: ۲۲۲٤، ص: ۲۱۳]

''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

(٤) عن عمرو بن دینار عن ابن عباس ان النبی ﷺ قـضـی بـالیـمیـن مع الشاهد، قال عمرو انما کـان فی الاموال ۔ [امـام احـمـد، الـمسند، حدیث: ۲۹٦۹، ص: ۲٦۷]

''عمرو بن دینار نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا، عمرو نے کہا: یہ صرف اموال میں ہے۔''

(٥) عـن عـلـی " ان الـنـبـی ﷺ قضی بشهادة شـاهـد واحـد ویمین صاحب الحق " وقضی علی بن ابی طالب به بالعراق ۔ [ابن قیم، تهذیب سنن ابی داؤد: ۲۲٥/٥]

''علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ اور صاحب حق کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا اور علی بن ابی طالب نے بھی عراق میں اس کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

(٦) " عـن ابـی هریرة ان رسول الله ﷺ قضی بـالیـمیـن مـع الشاهد ۔" [سـنـن ابـن مـاجـه، ابواب الشهادات، حدیث: ۲۳٦۹، ۲۳٦۸، ص: ۳۳۹]

''ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

(۷) عن جابر ان النبی ﷺ قضی بالیمین مع الشاھد ۔ [نفس المرجع]

''جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

(۸) عن سرق ان النبی ﷺ اجاز شھادۃ الرجل ویمین الطالب ۔ [نفس المرجع]

''سرق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آدمی کی شہادت اور مطالبہ کرنے والے کی قسم کی اجازت فرمائی۔''

ابن قیم لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث اور ابن عباس کی حدیث کو معلل کہا گیا ہے حالاں کہ یہ دونوں حدیثیں، باب میں ذکر کردہ حدیثوں میں سب سے عمدہ حدیثیں ہیں۔

[نفس المرجع، حدیث: ۲۳۷۱، ص: ۳۳۹]

اعتراض کی کیفیت:

ابوہریرہ کی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسے سہیل بن ابی صالح اپنے باپ سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے، اس حدیث کو اس سے ربیعہ نے روایت کیا ہے۔ دراوردی نے کہا کہ میں نے یہ سہیل کے پاس ذکر کیا تو اس نے کہا:

" اخبرنی وبیعة وھو عندی ثقة انی ھدثته ایاہ ولا احفظه ۔"

''مجھے ربیعہ نے بتایا، اور وہ میرے ہاں ثقہ ہے کہ میں نے اسے یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ روایت کرنا مجھے یاد نہیں ہے۔''

دراوردی نے کہا کہ سہیل کو ایک بیماری لاحق ہوگئی تھی جس سے اس کی عقل جاتی رہی اور اسے بعض حدیثیں بھول گئیں، سہیل یہ حدیث ''عن ربیعة عنه (سن سھیل بن ابی صالح) عن ابیه'' روایت کیا کرتے تھے۔[ابن قیم، تھذیب سنن ابی داؤد: ۲۲۵/۵]

کئی وجوہ سے اس کا جواب:

اوّل یہ کہ اگر یہ ثابت ہو جائے، تو یہ ابوہریرہ کی حدیث کے بعض طرق کی تعلیل ہوگی نہ کہ تمام کی اور اس طریق کی تعلیل سے اصل حدیث کی تعلیل لازم نہیں آتی۔ کیوں کہ اس حدیث کو ابوالزناد نے اعرج سے اس نے اسے ابوہریرہ سے روایت کیا۔ اسی طریق سے نسائی نے اسے تخریج کیا ہے۔[نفس المرجع: ۲۲۶/۵]

دوم یہ کہ یہ طریق حدیث کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ سہیل نے ربیعہ کی تصدیق کی ہے اور آپ اس حدیث کو ''ربیعہ عن سہیل'' سے روایت کیا کرتے تھے لیکن آپ اسے بھول گئے تھے اور راوی کا نسیان اس شخص کے خلاف حجت نہیں ہوتا جس نے یاد رکھا ہو۔ [نفس المرجع]

لہٰذا ربیعہ کا سہیل بن ابی صالح سے روایت کرنا حجت ہے کیوں کہ اس نے یاد رکھا، اور سہیل کے نسیان کی وجہ سے عدم یادداشت کا اظہار قابل حجت نہیں ہے۔

سوم یہ کہ ربیعہ اوثق الناس ہے اس نے بتایا ہے کہ ''اس نے یہ حدیث سہیل سے سنی ہے۔'' لہٰذا اس کے اس کو حدیث بیان کرنے کے ردّ کی کوئی وجہ نہیں بنتی اگرچہ سہیل اس کا انکار کر دے، تو یہ کیسے مسترد ہو سکتی ہے؟ جب کہ سہیل نے اس کا انکار نہیں کیا، وہ تو بیماری کی وجہ سے جو اسے لاحق ہوئی تھی، اسے بھولا ہے، اور ربیعہ نے یہ حدیث اس سے اس بیماری کے لاحق ہونے سے پہلے سنی ہے۔[نفس المرجع]

جہاں تک ابن عباس کی حدیث کا تعلق ہے تو اس کو عمرو بن دینار، ابن عباس سے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور عمرو بن دینار ''عن محمد بن علی'' سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔ اور یہ تعلیل بھی باطل ہے، اس جیسی تعلیل کے ساتھ سنن صحیحہ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اس کو تو بہت سے لوگوں نے عمرو بن دینار ''عن ابن عباس عن النبی ﷺ'' سے موصول روایت کیا ہے اور مسلم نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے ''جید اسناد'' کہا ہے، اور کئی طرق سے اسے عمرو بن دینار ''عن ابن عباس'' سے چلایا ہے۔[نفس المرجع]

شافعی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ حدیث ہے، کوئی اہل علم اس جیسی حدیث کو، اگرچہ اس کے ساتھ کوئی حدیث بھی نہ

ہو، ردّ نہیں کرسکتا، اس کے ساتھ تو اس کے علاوہ ایسی حدیثیں ہیں جو اسے تقویت دیتی ہیں تو یہ کیسے ردّ ہوسکتی ہے؟[نفس المرجع]

ابن قیم لکھتے ہیں کہ شافعی فرماتے ہیں کہ محمد بن حسن نے مجھ سے کہا: ''اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ سیف بن سلیمان، الیمین مع الشاہد کی حدیث روایت کرتا ہے تو میں اسے لوگوں کے ہاں خراب کہتا، میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا جب آپ نے اسے خراب کہا، وہ خراب ہوگیا؟

یہ سیف ثقہ ہے، شیخین نے اسے اس کی حدیث کے ساتھ حجت پکڑنے پر اتفاق کیا ہے، علی بن مدینی نے کہا کہ میں نے سیف بن سلیمان کے متعلق یحییٰ بن سعید سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"کان عندی ثبتا ممن یصدق ویحفظ۔"

''میرے ہاں وہ صادقین وحافظین میں سے ثبت ہیں۔''

نسائی نے کہا کہ سیف بن سلیمان ثقہ ہے۔ طحاوی نے اس کو معلل قرار دیا اور کہا کہ یہ منکر ہے اور کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ قیس بن سعد عمرو بن دینار سے کچھ روایت کرتا ہو۔[نفس المرجع: ۵/ ۲۲۷]

یہ علت باطل ہے کیوں کہ قیس ثقہ ثبت ہے، تدلیس میں غیر معروف ہے، قیس اور عمرو ایک ہی زمانہ میں مکہ کے رہنے والے ہیں اگرچہ عمرو اس سے بڑے اور اس سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔ قیس نے عطاء اور مجاہد سے روایت کیا اور یہ دونوں عمرو بن دینار سے بڑے اور اس سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔ عمرو سے اس شخص نے روایت کیا جو قیس کے زمانہ میں تھا اور وہ ایوب سختیانی ہے، تو عمرو سے قیس کے روایت کرنے کا انکار کہاں سے آ گیا؟ جریر بن حازم نے قیس بن سعد سے، اس نے عمرو بن دینار سے، اس نے ابن جبیر سے، اس نے ابن عباس سے اس محرم کا قصہ روایت کیا جس کی اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی تھی، اور یہ صحیح ترین حدیث ہے۔[نفس المرجع]

لہٰذا واضح ہوا کہ قیس نے عمرو سے کئی احادیث روایت کی ہیں اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی انہیں منقطع کہہ کر اصلاً معلل قرار نہیں دیا۔ اور محمد بن مسلم طائفی نے عمرو بن دینار ''عن ابن عباس'' سے روایت کرنے میں قیس کی متابعت کی ہے اسے نسائی اور ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ حدیث کئی طرق سے ابن عباس سے مروی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ثابت ہے اور اس کو ردّ کرنے کے لیے بحمداللہ کوئی طمع نہیں ہے۔ [نفس المرجع]

کچھ لوگوں نے اس حدیث کو مرسل کہہ کر معلل قرار دیا کہ عمرو بن دینار نے اس حدیث کو محمد بن علی سے، اس نے نبی ﷺ سے مرسل روایت کیا۔ یہ بھی تعلیل فاسد ہے جو حدیث پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ اس حدیث کو عمرو سے مرسل روایت کرنے والا ایک ضعیف انسان ہے۔ اس کی روایت کے ساتھ ثقات پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ نسائی نے کہا: ''اس کو ایک ضعیف انسان نے روایت کیا۔ اس نے کہا: "عن عمرو بن دینار عن محمد بن علی مرسل" آپ نے کہا: ''یہ متروک الحدیث ہے، اور ضعفاء کے ساتھ ثقات کے خلاف حکم نہیں لگایا جاسکتا۔''[نفس المرجع: ۵/ ۲۲۸]

یہ اور ان جیسی دیگر علل، لغزش ڈھونڈنے کے سوا کچھ نہیں، ان علل کی وجہ سے صحیح ثابت احادیث نہیں چھوڑی جاسکتیں، اگر ان جیسی خیالی علل کی وجہ سے سنن کو ترک کردیا جائے تو ایسے خیالات کی وجہ سے عام صحیح ثابت احادیث کو ترک کرنے کی راہ نکل پڑے گی۔ اس طریقہ کے مقابلہ میں اصولیین اور اکثر فقہاء کا طریقہ ہے کہ وہ حدیث کی علت پر توجہ نہیں دیتے۔ جب حدیث کا کوئی ایک طریقہ علت سے سلامت ہو یا کوئی ثقہ اس کو موصول یا مرفوع بنا دے تو یہ اپنے مخالفین کی پرواہ نہیں کرتے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔[نفس المرجع]

اس معاملہ میں درست طریقہ ایسی شان رکھنے والے ائمہ کا ہے جو حدیث اور اس کی علل کا علم رکھنے والے ہیں۔ علل میں مہارت، واقفین، رافعین، مرسلین اور واصلین میں غور وخوض کرنا ان کی شان ہے، وہ شیخ کے پاس زیادہ رہنے والے، زیادہ اعتماد کرنے والے شیخ کے سب سے زیادہ خاص اور اس کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسے بہت سے امور کے جاننے والے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ عزم وجزم کے ساتھ ایک جگہ میں اثر انداز علت کی نشان دہی کرتے ہیں اور ایک اور جگہ میں اس کی نفی کرتے ہیں۔ وہ نہ تو

اصولیین کے طریقہ کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی وہ فقہاء کے طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔ اس طویل بحث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس اصل ''القضاء بالیمین مع الشاهد'' کو نبی ﷺ سے عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، عبداللہ بن عمرو، سعد بن عبادہ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، سرق، عمارہ بن حزم اور صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، اور عمرو بن شعیب نے مرسل اور متصل روایت کیا ہے اور منقطع زیادہ صحیح ہے، اور ابوسعید خدری نے اور سہل بن سعد نے بھی روایت کیا ہے۔[نفس المرجع: ۵/۲۲۹]

ان احادیث کی صحت اور عدم صحت کی تفصیل یوں ذکر کی گئی ہے:

①......ابن عباس کی حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

②......ابوہریرہ کی حدیث حسن ہے اور اسے ابوحاتم رازی نے صحیح کہا ہے۔

③...... جابر کی حدیث حسن ہے اور اس کی ایک علت ہے اور وہ اس کا مرسل ہونا ہے اور یہ بات ابوحاتم رازی نے کہی ہے۔

④......زید بن ثابت کی حدیث کو ابوزرعہ اور ابوحاتم نے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کو سہیل نے اپنے باپ سے، اس نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔

⑤......اور سعد بن عبادہ کی حدیث کو ترمذی، شافعی اور احمد نے روایت کیا۔

⑥......سرق کی حدیث کو صرف ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور اس کی ایک علت ہے اور وہ سرق سے ابن بیلمانی کا روایت کرنا ہے۔

⑦......اور زبیب کی حدیث حسن ہے۔ اس کو اس سے شعیب بن عبداللہ بن زبیب عنبری نے روایت کیا۔ اس نے کہا: ''حدثنی ابی قال: سمعت جدی الزبیب'' اور شعیب کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

⑧...... اور عمرو بن شعیب کی حدیث کو، مسلم بن خالد زنگی نے ابن جریج سے، اس نے عمرو سے منقطع روایت کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا، اور یہ صحیح ہے۔

⑨......ابوسعید کی حدیث کو طبرانی نے اپنی معجم صغیر میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا۔

⑩......سہل بن سعد کی حدیث، جس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابوحازم سے، اس نے سہل سے روایت کیا، یہ ضعیف ہے۔

اس مسئلہ میں اعتماد احادیث صحیحہ پر ہے، اور باقی بے ضرر شواہد ہیں۔

سحنون بن سعید لکھتے ہیں:

" وقد قضى باليمين مع الشاهد رسول الله ﷺ وقضى بذلك على بن ابى طالب، وقال رسول الله ((اتانى جبريل من عند الله يامرنى بالقضاء باليمين مع الشاهد)) وقضى بذلك عمر بن عبدالعزيز وكتب بذلك الى عماله ان يقضى باليمين مع الشاهد وكان السلف يقولون ذلك ويرون القضاء باليمين مع الشاهد العدل فى الاموال والحقوق وكانوا يقولون: لا يكون اليمين فى الفرية مع الشاهد ولا فى الطلاق ولا فى العتاق ولا فى اشباه ذلك، وهم سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير والقاسم بن محمد وابوبكر بن عبد الرحمن وخارجة بن زيد وعبيد الله بن عبد الله وسليمان بن يسار ـ" [امام مالك، المدونة الكبرىٰ: ۱۳/ ۳۲،۳۳]

''رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کیا، اور اس کے ساتھ علی بن ابی طالب نے (بھی) فیصلہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے جبریل، ایک گواہ کے ہوتے ہوئے (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم کرنے آئے، اور عمر بن عبدالعزیز نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اور اپنے عمال کی طرف لکھ کر بھیجا کہ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کیا

جائے۔ اور سلف یہی بات کہا کرتے تھے اور ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ اموال اور حقوق میں فیصلہ کرنے کو عدل خیال کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ تہمت، طلاق، عتاق اور اس کے اشباہ میں گواہ کے ساتھ قسم نہیں ہوسکتی، اور یہ اسلاف سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار ہیں۔''

جبریل کے آ کر کہنے کی مندرجہ بالا حدیث بہت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے راوی ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم بہت ضعیف ہے۔ یہ بات ابن عدی اور ابن حبان نے اس کے حالاتِ زندگی میں لکھی ہے۔[التلخيص الحبير تخريج احاديث الرافعي الكبير: ۲/۲۰٦]

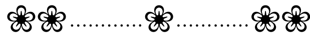
مالک فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم نہیں ہوسکتی۔ اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول سے حجت پکڑتے ہیں۔ اور اللہ کا حق قول

﴿ واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ﴾

''اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہوں جن کو تم پسند کرتے ہو۔'' [البقرة:۲۸۲]

معترض کہتا ہے کہ اگر مدعی ایک مرد اور دو عورتیں نہ لا سکے تو اس کے لیے کوئی چیز نہیں ہے اور اس کے گواہ کے ساتھ اس سے حلف نہ لیا جائے۔[امام مالك، الموطا: ۲/٢٦٧]

مالک کہتے ہیں کہ یہ بات کہنے والے کے خلاف دلیل ہے کہ اسے کہا جائے۔ آپ بتایئے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے خلاف مال کا دعویٰ کرے تو کیا مدعی علیہ قسم نہیں اٹھائے گا کہ اس کے ذمہ یہ حق نہیں ہے؟ اگر وہ قسم اٹھالے تو یہ حق اس سے باطل ہوجائے گا۔ اور اگر وہ مطلوب قسم سے باز رہے تو صاحب حق سے حلف لیا جائے کہ اس کا حق ہے۔ اور اس کا حق اس کے ساتھی مطلوب پر ثابت ہوجائے گا۔ یہ ایسی چیز ہے کہ لوگوں میں سے کسی کے ہاں اور نہ شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو مدعی کس چیز کی وجہ سے اس مال کو پکڑے گا؟ یا اللہ کی کتاب میں کس جگہ اسے پائے گا؟ جب وہ اس کا اقرار کرلے تو اسے ایک گواہ کے ہوتے ہوئے قسم کے ساتھ فیصلہ کا بھی اقرار کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب میں نہیں ہے، تاہم بالیقین سنت ماضیہ اس کے لیے کفایت کرتی ہے۔[نفس المرجع]



چوہدری عبدالوحید خان (قصور) کا انتقال

پروفیسر مولانا محمد ابراہیم خادم قصوری کے چھوٹے بھائی چوہدری عبدالوحید خاں گزشتہ دنوں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی عمر چالیس برس تھی۔ بعارضہ قلب گلاب دیوی ہسپتال لاہور میں زیر علاج رہے۔ پس ماندگان میں بیوہ، تین بیٹے اور چار بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ قارئین دعائے مغفرت فرمائیں۔

[پروفیسر محمد اسحاق خادم، کنگن پور، قصور]

حکیم یحییٰ عزیز ڈاہروی کے لیے دعائے صحت

حکیم یحییٰ عزیز ڈاہروی (کوٹ رادھا کشن) گزشتہ دنوں اپنے مطب میں پاؤں پھسلنے سے گر گئے، ان کے ہاتھ کی ہڈی فریکچر ہوگئی ہے۔ احباب ان کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔

[محمد رمضان یوسف سلفی]

خطبہ جمعۃ المبارک

۲۹۔ جنوری ۲۰۱۰ء کا خطبہ جمعۃ المبارک بمقام جامع مسجد السلام اہل حدیث گلشن فیض ہیڈ نو بہار ملتان میں شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق اثری صاحب ﷿ محدث جلال پوری ارشاد فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

برادرانِ اسلام سے شرکت کی درخواست ہے۔

شعبہ تبلیغ جماعت غرباء اہل حدیث ملتان۔

0301-7578681 محمد یاسین شاد

معاشرتی مسائل

اولاد اور اس کی تربیت کے تقاضے

قاری محمد حسن سلفی (ٹبہ سلطان پور ضلع وہاڑی)

نکاح ہو جانے کے بعد طلب اولاد ایک فطری عمل ہے۔ اولاد ہی گھر کی رونق اور زینت ہوتی ہے اور سچے مسلمان کا عقیدہ بھی یہی ہوتا ہے کہ اولاد عطا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ صرف اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں۔

﴿ رب هب لی من الصالحین ﴾ [الصف]

﴿ رب هب لی من لدنك ذرية طيبة ﴾ [آلِ عمران]

﴿ رب لا تذرنی فرداً وانت خير الوارثين ﴾ [الانبیاء]

اولاد ملنے پر اللہ کی تعریف اور حمد وثناء کرنی چاہیے۔

﴿ الحمد للّٰه الذی وهب لی علی الكبر اسماعيل واسحق ﴾ [ابراھیم]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے میری بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق عطا کیے۔ بعض نادان پہلے تو دعا اللہ ہی سے کرتے ہیں لیکن اولاد والی نعمت ملنے پر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فلما اثقلت دعو اللّٰه ربهما لئن اٰتينا صالحاً لنكونن من الشاكرين o فلما اٰتهما صالحاً جعلا لهٗ شركآء فيما اٰتهما ﴾ [الاعراف]

جب امید اولاد ہوتی ہے تو وہ دعا کرتے ہیں اگر ہمیں صالح اولاد ملے تو ہم شکر کریں گے جب ہم ان کو صالح اولاد دے دیتے ہیں پھر وہ ہمارے دیے میں شریک بنانا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ شرکیہ ناموں سے اس عقیدے کی وضاحت ہوتی ہے۔ عبدالمصطفیٰ، پیراں دتہ، اللہ ڈوایا (اللہ نے لے کر دیا)، پیراں ڈوایاں (پیروں نے لے کر دیا)، عطاء المصطفیٰ، عطاء محمد وغیرہ وغیرہ۔

اولاد ملنے پر صرف اللہ ہی کی تعریف اور شکر ادا کیا جائے اور اچھا سا نام رکھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان احب اسماء كم الی اللّٰه عبد اللّٰه وعبد الرحمن

''بے شک اللہ کو تمہارے ناموں میں سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پسند ہیں۔'' [رواہ مسلم]

اچھا نام رکھنا بھی تربیت اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ نام کا شخصیت پہ ایک اثر ضرور ہوتا ہے۔

حضرت مسیّب بن حزن سے روایت ہے ان کے والد حزن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا حزن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سہل ہو۔ انہوں نے کہا میرے والد نے میرا جو نام رکھا ہے میں اسے نہ بدلوں گا۔ حضرت سعید بن مسیّب (حزن کے پوتے) فرماتے ہیں اس کے بعد ہمارے خاندان پہ بڑی مشکل اور سختی چھائی رہی۔ [رواہ البخاری، کتاب الادب]

اولاد کی اچھی تربیت بہت ضروری ہے خصوصاً اس معاشرے میں کہ جب ہر طرف بے حیائی کا سیلاب ہو، بے پردگی عام ہو، مخلوط تعلیم، مخلوط سفری ذرائع، مخلوط ملازمتیں، کیبل کا وبال، ٹی وی وفلم کی بے راہ روی، بے دینی وجہالت، موبائل وانٹرنیٹ کی آزادی اور بے غیرتی کی انتہا ہو چکی ہو۔ صالح اولاد ماں باپ کی سعادت ہوتی ہے اور اگر اولاد بگڑ جائے، چوری، شراب، زنا، موسیقی، جوا، حرام خوری، بے نماز، بے ریش، بے پردگی اور بے حیائی پہ لگ جائے تو والدین کی دنیا دوزخ بن جاتی ہے اور آج ہر طرف شیطانیت کا دور دورہ ہے۔ اسی شیطانی وساوس سے بچاؤ کے لیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ جب میاں بیوی

خلوت اختیار کریں تو یہ دعا پڑھیں:

بسم اللّٰہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا ۔ [رواہ البخاری، کتاب الدعوات]

حضرت مریم کی والدہ نے ولادت کے وقت کہا

﴿ وانی سمّیتھا مریم وانی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطن الرجیم ﴾ [آلِ عمران]

''اور بے شک میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہونے کے بعد روتا ہے تو وہ شیطان کے چھیڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شیطانی چھیڑ سے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ کو بچایا۔ [بخاری، کتاب التفسیر]

اس لیے کہ ان کی ماں نے دعا کی تھی۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ماں بیٹے کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اپنی اولاد حسن و حسین کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں:

کان النبی ﷺ یعوذ الحسن والحسین ویقول ان ابا کما کان یعوذ بھا اسماعیل واسحاق علیھما السلام: " اعوذ بکلمات اللّٰہ التامۃ من کل شیطان وھامۃٍ ومن کل عین لامۃٍ ۔" [رواہ البخاری]

''نبی ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ طلب کرتے اور فرماتے کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کلمات کے ساتھ اپنے بیٹے اسماعیل و اسحٰق کے لیے پناہ مانگا کرتے۔ میں پناہ مانگتا ہوں کامل و مکمل کلمات کے ساتھ ہر ایک شیطان سے، ہر موذی چیز اور ملامت والی آنکھ سے۔''

آج والدین جس طرح ان روحانی دعاؤں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس طرح اولاد بھی شیطانی جال میں پھنس جاتی ہے۔ آج ماں باپ نے جان بوجھ کر اولاد پر اندھا اعتماد کر لیا اور کھلی چھٹی دے دی۔ معاشرے کے بے رحم بھیڑوں نے ایسے نونہالوں کو چوری، شراب، زنا اور بے پردگی کا رسیا کر دیا۔ آج والدین نے اپنی مصروفیت کا بہانہ بنا کر اولاد کی نگہداشت سے ایسی کوتاہی برتی کہ پھر کہتے ہیں ہم تو ایسے نہیں ہماری اولاد اس طرح کیوں ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی کوثر و تسلیم سے دھلی ہوئی مقدس زبان سے ارشاد فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں:

ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم ۔ [رواہ النسائی]

''بے شک تمہاری اولاد ین تمہاری بہترین کمائی ہیں پس تم اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔''

اولاد تو انسان کی بہترین کمائی ہے اور جس طرح ہم اپنی کمائی نقدی، زیورات، جائیداد کی حفاظت کرتے ہیں، اولاد کی حفاظت اور تربیت کے لیے کیوں آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کیا صرف اولاد کو اچھا کھلانا، اچھی رہائش، اچھا اور عمدہ لباس مہیا کرنا ہی کافی ہے۔

اس کے اخلاقیات، عادات اور کردار کی تعمیر کون کرے گا؟ دنیاوی تعلیم کے ساتھ دین کی تعلیم کون دلائے گا؟ اولاد کے چال چلن، عادات و کردار، خلوت و جلوت، احباب و دوست اور آنے جانے پر نظر کون رکھے گا؟ آج ہم تربیت اولاد سے اتنے غافل و بے پروا نظر کیوں آتے ہیں؟ صالح اولاد والدین کی اچھی شہرت کا باعث بنتی ہے اور مرنے کے بعد بھی صدقہ جاریہ بنتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہٗ الا من ثلاثۃٍ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولدٍ صالحٍ یدعو لہٗ ۔ [رواہ مسلم]

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ کٹ جاتا ہے مگر تین چیزیں: ① صدقہ جاریہ، ② نفع بخش علم، ③ نیک اولاد جو ماں باپ کے لیے دعا گو رہتی ہو۔''

اور اگر تربیت نہ ہو تو اسی اولاد کو اللہ جل شانہ نے انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ﴾ [التغابن]

''اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویاں اور تمہاری اولادیں تمہاری دشمن ہیں پس تم ان سے بچو۔''

اولاد کی نگہداشت انبیائے کرام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو مکہ میں آباد کر دیا تو پھر ان کی خبر گیری کے لیے آیا کرتے تھے۔ [رواہ البخاری]

سورۃ مریم میں حضرت اسماعیل کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ

﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ﴾

وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے حکم دیا:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰہٰ]

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر پکے رہو۔''

ایسی نمازی اور صالح اولاد نہ صرف دنیا میں والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے بلکہ یہ نیک اولاد والدین کے ساتھ جنت میں بھی اکٹھی ہوگی۔ فرمایا ربّ ذوالجلال نے!

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعتهم ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ [الطور]

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان کی اولادوں نے ایمان میں ان کی پیروی کی۔ ہم ان کی اولادوں کو ان سے (جنت میں) ملا دیں گے۔''

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو امت مسلمہ کے لیے معیار و کسوٹی ہیں وہ اپنے بچوں کی تربیت کیسے کرتے تھے۔ آیئے دیکھتے ہیں!

①...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص نشے میں دھت گلیوں میں پھر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ آج ہمارے بچوں نے بھی روزہ رکھا ہوا ہے اور تو نشے میں دھت گلیوں میں پھر رہا ہے۔ پھر اسے سزا دی۔ [رواہ البخاری]

②...... حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ عاشورہ کے روزے ہم اپنے بچوں کو بھی رکھواتے جب ان کو بھوک اور پیاس ستاتی تو ہم ان کو کھلونے دے دیتیں وہ اس سے کھیلتے رہتے اور افطاری کا وقت ہو جاتا۔ [رواہ البخاری]

③...... حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ نبی رحمت ﷺ نے از روئے شفقت و محبت مجھ پہ پانی گرایا تھا اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔ [رواہ البخاری، کتاب العلم]

④...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی جوان نہ ہوا تھا اور میں ایک گدھے پہ سوار ہو کر آیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے کوئی چیز نہ تھی۔ میں سامنے سے نہ گزرا اور نماز میں آ کر شامل ہو گیا کسی نے مجھے کچھ نہ کہا۔ [رواہ البخاری، کتاب العلم]

⑤...... جنگ بدر میں ابوجہل کو جہنم واصل کرنے والے بھی معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما نوعمر تھے۔ [بحوالہ الرحیق المختوم]

⑥...... حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مجھے قرآنِ کریم کی ۱۰ سے زیادہ سورتیں زبانی یاد تھیں۔ [رواہ الترمذی وابوداؤد]

⑦...... حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے قبیلے کے لوگ مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ تمہاری امامت وہ کروائے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔

فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ ۔

''انہوں نے مجھے آگے کر لیا اور میں چھ یا سات برس کا تھا۔''

[رواہ البخاری]

تربیت اولاد کے سلسلہ میں ہمیں حضرت اسماعیل کا اسوۂ حسنہ دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا:

﴿ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾ [الصافات]

''اے ابوجان! جو آپ کو حکم ہے کر گزریے۔'' سبحان اللہ

بچوں کی اسلامی تربیت کے لیے ہمیں اپنے بچوں کو سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کی وصیتیں بھی یاد کروانی چاہئیں۔

آج کے بچے کل کے جوان ہیں۔ اٹھیے! بچوں کی تربیت میں اپنا کردار ادا کیجیے۔ معاشرے کی غلاظتوں سے بچایئے۔ قرآن کی تعلیم سے روشناس کروایئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات یاد کروایئے۔ کل کے اصلاح شدہ معاشرے میں سکھ کے سانس لینے کا سامان کیجیے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللّٰہ ۔

❀❀............❀............❀❀

مواعظ وعبر

کیا اسلام ایک سخت گیر دین ہے؟

محمد عبدالرزاق ساجد (لیکچرر گورنمنٹ ملت ڈگری کالج فیصل آباد)

انسانی معاشرے کے بہترین مفاد کے لیے، شریعت اسلامیہ جن امور کا حکم دیتی ہے ان کا سرانجام دینا فرائض اور واجبات کا درجہ رکھتا ہے جو دوسری جہت کے اعتبار سے حقوق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسے اولاد کا والدین پر احسان اور نیکی والا سلوک وروبہ رکھنا۔ جہاں ایک طرف اولاد کے لیے فرض ہے وہیں دوسری طرف وہ حقوق والدین بھی کہلاتا ہے۔ دراصل اس کی سختیاں دوسروں کے حقوق کے لیے ہوتی ہیں۔

اسی طرح جو چیزیں انسانی معاشرے کے لیے جلدی یا بدیر تباہ کن اور برباد کن ہوتی ہیں شریعت ان پر کڑی پابندیاں عائد کر دیتی ہے۔ اور انسانوں کو اس کے ارتکاب سے سختی کے ساتھ منع کر دیتی ہے، انہیں منہیات اور محرمات کا نام دے دیتی ہے۔ اور انہیں کبائر یا گناہ کبیرہ سے تعبیر کرتی ہے۔ اگرچہ وہ کام وقتاً یا بظاہر کتنا ہی اچھا اور بھلا محسوس کیوں نہ ہوتا ہو۔ جیسے زنا، شراب اور سود وغیرہ کا معاملہ ہے۔ ان معاملات سے روک ٹوک بھی انسانی بھلائی کے لیے ہے۔

شریعت اسلامیہ کا یہ امتیاز ہے کہ وہ کل وقتی جامع ومانع کامل وشامل ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی اور انٹرنیشنل ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔ پوری دنیا پر ہمیشہ حالات اور افکار ونظریات ایک جیسے نہیں رہتے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ ہر جگہ، ہر قسم کے واقعہ کو ہر طرح کے حالات میں سامنا کرنے، مقابلہ کرنے اور اس کا کافی وشافی حل اور علاج پیش کرنے کی مہارت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

شریعت محمدیہ کی یہ خوبی ہے کہ اگر احوال وحالات موافق ہوں، موسم سازگار ہو، معاملات (علی ما یرام) معمول کے مطابق چل رہے ہوں تو وہ اپنے قانون اور اصولوں کے شکنجوں کو مضبوط رکھتی ہے۔ مثلاً ماکولات اور کھانے پینے کا معاملہ ہو، حالات معمول کے مطابق رواں دواں ہوں تو شریعت ﴿ کلوا حلالاً طیبا ﴾ حلال اور پاکیزہ کھانے کی شرط پر سختی سے عمل درآمد کرواتی ہے اور اس میں معمولی سی لچک بھی روا نہیں رکھتی۔

لیکن اگر حالات موافق اور سازگار نہ ہوں، آسائش اور آسانی کا ماحول میسر نہ ہو، غربت، تنگی، مفلوک الحالی، قحط سالی کی صورت حال کا سامنا ہو اور آدمی کو رزق حلال وطیب میسر نہ ہو اور جان جانے کا خطرہ ہو تو وہی شریعت اپنے قانون کے پنجوں کو ڈھیلا کر لیتی ہے۔ کیوں کہ (الدین یسر) دین بے جا تنگیوں کا نام نہیں۔ اور (تکلیف مالا یطاق) کو اپنا شیوہ نہیں بناتا، بلکہ (یسرا ولا تعسرا) اور (بشرا ولا تنفرا) کے تحت یہ نرمیاں پیدا کر دیتا ہے کہ

﴿فمن اضطرّ غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیه ﴾

اضطراری کیفیت اور مجبوری کی حالت میں اگر ﴿ کلوا حلالا طیبا ﴾ کے اصول پر عمل درآمد نہ ہو سکے تو یہ بات ایسے حالات میں قابل مواخذہ نہ ہوگی کیوں کہ (الضرورات تبیح المحذورات)

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے خنزیر کے گوشت کھانے اور شراب پینے کے سارے ریکارڈ توڑ دیے جائیں بلکہ ﴿ فاتقوا الله ما استطعتم ﴾ کے تحت حتی الامکان کم سے کم مقدار (قوت لایموت) کو اختیار کرتے ہوئے (اَلضَّرُوْرَۃُ تُقَدَّرُ بِقَدَرِھَا) صرف اسی قدر لیا جائے جس سے زندگی کی رمق باقی رہے۔ اور یہ بھی صرف اس لیے کہ ان مشکل حالات میں اپنی جان کو بچاتے ہوئے آسانی کے عالم میں شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے کے لیے اسے محفوظ کیا جا سکے۔

اسلام تو وہ دین ہے جو بنی نوع انسان کے گلے میں انسانوں ہی

کے ڈالے ہوئے جور وتعدی کے طوق واغلال، بندوں کے بندوں کے لیے بنائے گئے ظلم وعدوان والے دستور ومنشور کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو اتارنے، انہیں آزاد کروانے، ان سے نجات دلانے اور مبنی بر عدل نظام الٰہی سے انہیں مستفید کرنے کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام کے ہر حکم کی بجاآوری اور ہر نہی سے اجتناب برتنے میں تنگی وتکالیف سے تو دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ وضو، نماز، روزہ، حج، جہاد میں مشاکل کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر کوئی ایسی تکلیف نہیں دیتا جو قوت برداشت سے باہر ہو، یا کسی ایسے کام کا مکلّف نہیں ٹھہراتا جو انسان کے بس سے باہر ہو۔ اس حقیقت کو کتاب اللہ ان الفاظ میں واشگاف بیان کرتی ہے:

﴿ لا یکلّف اللّٰہ نفسا الا وسعھا ﴾

کسی بھی جان پر اس کی طاقت وہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا، بلکہ اس کا تو بڑا واضح حکم ہے:

﴿ فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم ﴾

اپنی قوت وہمت اور بساط کے دائرے میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے احکام ونواہی پر عمل کرتے رہو۔

ذیل میں ہم اسلام کی اس خوبی کو چند دیگر مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

① ......اسلام تو انسان کو صرف اور صرف کامیاب وکامران دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے وقار، عزت واحترام کو اس قدر پیش نظر رکھتا ہے اور سینے میں اس قدر وسعتیں رکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص ساری زندگی اسلام کو قبول کرنے سے انکاری رہا، اس پر عمل پیرا ہونے سے دور رہا، اگر وہ موت سے پہلے کلمہ توحید کا اقرار کرلے تو اس کو بھی جنت کی نوید سناتا ہے، اور مرتے دم ایک یہودی بچے اور مشرک چچا کو سینے سے لگانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہاں تو

من کان آخرُ کلامه لا اله الا اللّٰه دخل الجنة ۔

دل وجان سے کلمہ پڑھتے ہوئے موت پانے والا جنت کا حق دار ہوتا ہے۔

② ...... وضو کے لیے اگر پانی میسر نہیں تو بطور متبادل آسانی کرتے ہوئے تیمّم کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

③ ......موسم کی شدت کو مدنظر رکھتے ہوئے پاؤں کو دھونے کی بجائے جرابوں اور موزوں پر مسح کا متبادل دے دیا جاتا ہے۔

④ ...... مسافر کے لیے مسح کی یہ مدت تین دن تک کر دی جاتی ہے۔

⑤ ...... حالت سفر میں رباعی نماز میں قصر کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ یہ تخفیف اگر آسانی نہیں تو کیا ہے؟

⑥ ......نوافل وسنن (سوائے صبح کی سنتوں اور وتر کے) کو ختم کردیا جاتا ہے۔

⑦ ...... آدمی کھڑا ہو کر نماز ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

⑧ ...... بیٹھ کر ادائیگی سے قاصر ہے تو لیٹ کر اس کو پڑھنے کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

⑨ ...... اگر وہ لیٹے لیٹے بھی حرکات وسکنات سے قاصر ہو تو اشارے سے پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

⑩ ......عورت حیض ونفاس میں مبتلا ہوجاتی ہے تو اس فرض اور ڈیوٹی کو اس پر سے اتنے دنوں کے لیے اٹھا دیا جاتا ہے۔

⑪ ......مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دے دی جاتی اور متبادل جب میسر ہو آسانی سے بعد میں رکھ لے۔

⑫ ......اسی طرح حائضہ ونفاسہ کے لیے متبادل دنوں کی رخصت کے ساتھ اسے بدل دیا جاتا ہے۔

⑬ ......قربانی وحج اور مالی عبادتوں کو ہمت وطاقت کے ساتھ منسلک کردیا جاتا ہے۔

الغرض جن امور میں نرمی، تیسر اور آسانی انسانیت کے فائدے میں ہوتی ہے شریعت وہاں پوری نرمی دکھاتی ہے۔ مگر جہاں ایسا اقدام انسانیت کے لیے نقصان دہ ہو وہاں شریعت لچک نہیں دکھاتی۔



نقطۂ نظر

مخبر صادق ﷺ کی رائے میں بھی حکمت الٰہی تھی

عطا محمد جنجوعہ

محدثین عظام اور ائمہ کرام نے کتاب وسنت کی اشاعت اور اسلام کے منافی فتنوں کی بیخ کنی کے لیے علمی وعملی میدان میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ لیکن کسی امام نے اپنی اطاعت کو واجب قرار نہیں دیا۔ نہ ہی اُس کے پیروکاروں نے اپنے امام کو معصوم عن الخطا کہا۔

انگریز برصغیر پاک وہند پر چھا گئے۔ انہوں نے مغربی فکر وفلسفہ کی پذیرائی کی اور مغربی جمہوریت کو ہندوستان میں رائج کیا۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں میں مدلل انداز سے آزادی، اخوت ومساوات پر بحث کی اور ثابت کیا کہ سیاسی وقانونی حقوق اور محاسبہ کے قوانین اسلام نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے عطا کیے ہیں۔ مزید برآں مغربی تہذیب وتمدن کے منفی پہلوؤں کا علمی انداز میں تعاقب کیا۔ البتہ سیاسی فلسفہ کی تائید کرتے ہوئے ان سے لغزشیں ضرور ہوئیں۔

مولانا مودودی نے مس فاطمہ جناح اور جنرل محمد ایوب خان کے مابین صدارتی الیکشن کے دوران مس فاطمہ جناح کی حمایت کا اعلان کیا تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور امین احسن اصلاحی نے بھرپور انداز میں محاسبہ کیا۔ اس موقعے پر مولانا مودودی رحمہ اللہ یا اُن کا عقیدت مند یہ کہہ دیتا کہ اسلام میں مرد کی سربراہی کا اٹل قانون ہے۔ اس وقت ایوب کی آمریت کے مدمقابل مس فاطمہ جناح کی حمایت ایک اضطراری فعل ہے، معاملہ ٹھپ ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اُن کے ارادت مند عامر عثمانی نے انہونی مثالیں دے کر اپنے پیشوا کی وکالت کی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش وہ عقیدہ ختم نبوت کی تائید اور قادیانیوں کی کذب بیانی پر عقلی انداز میں بحث کرتے، جو آخرت میں ذریعہ نجات بنتا۔

ادارہ علم وادب حیدر آباد نے عامر عثمانی کی بحث کو ''برہان قاطع'' کے نام سے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

مولانا اصلاحی نے میثاق میں تحریر کیا:

''رسول اللہ ﷺ پر تو عورت کی امارت کی حرمت کی وحی آئی اور اس حرمت کے سب سے زیادہ زور دار بیان کرنے والے یہی تھے۔''

مولانا عامر عثمانی اس اقتباس کو درج کرنے کے بعد جرح کرتے ہیں:

''ہم خوب مانتے ہیں کہ حضور ﷺ پر قرآن سے ہٹ کر بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔ لیکن اس مسئلے کا مطلب یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے حضور ﷺ کے کسی بھی قول کو وحی کا نام دے دے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی بھی کافر کے لیے دعویٰ کرنا بہت آسان ہو جاتا کہ وحی غلط بھی ہوا کرتی ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے ایک بار مزارعین کو مشورہ دیا تھا کہ نر اور مادہ کھجوروں کے پیوند لگانے سے کیا حاصل۔ ایسا مت کیا کرو۔ مزارعین نے اس مشورہ کو مانا تھا تو نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس سال فصل بہت خراب رہی تھی۔ اس پر انہوں نے حضور ﷺ سے تذکرہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم اپنے دنیاوی معاملات میں تم خود زیادہ بہتر جانتے ہو میں تو ایک بشر ہوں۔

اگر دینی معاملات میں کچھ حکم دوں تو اُسے قبول کر لو۔ دنیوی امور میں مشورہ دوں تو تم ماننے یا ماننے کے مختار ہو۔ پھر مزارعین نے حسب سابق پیوند لگانے شروع کر دیئے تھے۔ غزوۂ بدر وخیبر میں صحابی کے مشورہ پر پڑاؤ دوسری جگہ منتقل کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے ''یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ حضور ﷺ کے ہر قول کو وحی کا نام نہیں دیا جا سکتا نہ کسی صحابی، تابعی، امام اور محدث نے دیا۔ مولانا اصلاحی نے حضور ﷺ کے اس فرمان کو جو وحی قرار دیا ہے یہ اللہ اور رسول ﷺ دونوں پر افترا ہے۔'' [برہان قاطع ص: ۸۶،۸۵]

ربّ کا قرآن نبی مکرم ﷺ کے بارے اعلان کرتا ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾

’’نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔‘‘[النجم: ۳،۴]

یہی بات رسول اللہ ﷺ نے ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمائی کہ میری زبان سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔

اُكْتُبْ فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يُخْرِجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ۔

[ابوداؤد، کتاب العلم: ۳۶۴۸]

’’لکھو، اُس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔‘‘

مفسرین نے آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتے حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔[سنن ترمذی]

اسی طرح حالت غضب میں آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔

[ابوداؤد، کتاب العلم، ماخوذ احسن البیان]

امام نووی حدیث تابیر نخلہ کے تحت وضاحت کرتے ہیں:

’’علماء نے کہا ہے کہ آپ کی رائے جو اپنی طرف سے ہو معاش کے کاموں میں اور لوگوں کی طرح ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں۔ اس لیے آپ کا اکثر وقت آخرت کی اصلاح اور اس کے فکر میں صرف ہوتا ہے۔ پس آپ کو فرصت نہ ہوتی دنیا کے کاموں میں زیادہ غور کرنے کی اور مراد وہی رائے ہے جس میں آپ تصریح کر دیں کہ یہ صرف رائے سے میں نے کہا ہے اور اس مقدمہ میں جو دین کے احکام سے تعلق نہ رکھتا ہو اور باقی جتنے اوامر اور نواہی ہیں خواہ وہ دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے ان سب کا اتباع واجب ہے۔‘‘

[صحیح مسلم، شرح نووی، ج:۶، ص:۵۹]

نبی مکرم دینی و دنیوی امور سرانجام دیتے تو اللہ کی وحی آپ ﷺ کی راہ نمائی و نگرانی کرتی رہی۔ اگر کسی موقع پر اپنی رائے سے کہا تو اسی موقع پر وضاحت بھی کر دی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا ایک دفعہ دنیوی امور میں رائے کا اظہار کرنا پھر دوسری تجویز پر عمل کرنا بھی وحی الٰہی کے تحت تھا، اس میں بھی حکمت تھی۔

نبی مکرم ﷺ کا پیوند کاری سے منع کرنا اور بعد میں اجازت دینا بھی وحی الٰہی تھا۔ ربّ کریم محمد عربی ﷺ کی زبانِ اطہر سے اجازت نہ دلواتے تو زرعی و صنعتی ترقی کے دور میں جدید آلات مشینری اور مصنوعی بیج کھاد کا استعمال مشکوک پڑ جاتا۔ عصر حاضر کے مسلمان ان کی حلت و حرمت کے بارے گروہوں میں بٹ جاتے۔ ایک بدعت کہتا دوسرا نفی کرتا۔

اس حدیث کی رو سے مسلمانوں کو دنیوی امور میں رخصت حاصل ہوگئی کہ وہ خداداد صلاحیتوں کو اسلاف کے تجربوں کی روشنی میں انسانی فلاح و بہبود کے لیے بہتر انداز میں بروئے کار لائیں۔ البتہ جن امور میں نبی مکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اُن سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر پیوند کاری سے منع نہ کرتے تو اجازت کیسے ملتی، یہی حکمت ہے۔

ہمارے وہ مسلمان بھائی جو نادانی کی وجہ سے دینی امور میں اضافہ کر لیتے ہیں یا ثواب کی نیت سے نیا فعل جاری کرتے ہیں۔ اُن سے کوئی صاحب اس نئے فعل کی رسولِ مکرم ﷺ سے سند طلب کرتا ہے تو اُن کا فوراً جواب یہ ہوتا ہے کہ تم تیز رفتار ذرائع استعمال کیوں کرتے ہو۔ کیا یہ سنت سے ثابت ہیں۔ دنیوی امور میں اجازت نامہ کے لیے یہی حدیث منہ توڑ جواب ہے۔

بدر و خیبر میں پڑاؤ تبدیل کرنے میں کئی حکمتیں ہیں۔

① ...... باہمی مشورے سے جنگی حکمت عملی کا معاملہ طے کیا جائے۔ جس سے دشمنوں کا بھاری نقصان ہوا اور مسلمانوں کا کم۔

مذکورہ احادیث سے اجازت نہ ملتی تو مسلمان دشمن کے مقابلے کے لیے تیر و تلوار کی سنت پر اکتفا کرتے۔ مزید جدید ہتھیار تیار کرنے سے پس و پیش کرتے۔

برہان قاطع کی تحریریں اس امر کی نشان دہی کرتی ہیں کہ جمہوریت کی گاڑی پر سوار ہو کر اسلام کی منزل تک رسائی ممکن ہے۔ چوں کہ آپ نے بدر و خیبر کی احادیث کا حوالہ دے کر ثابت کیا کہ ہمہ وقت آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وحی نہ ہوتے تھے۔

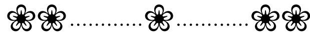
لیکن ان احادیث میں اس پہلو پر آپ نے غور کیوں نہیں کیا کہ سرورِ کائنات ﷺ کے صرف ایک صحابی حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کی رائے پر عمل کرنے کو بہتر سمجھا، کیا جمہوری اصول کی نفی نہیں؟ جمہوری نظام میں کثرت رائے کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں لیکن اسلام میں کثرت وقلت معیارِ حق نہیں بلکہ دلائل وبراہین کی بنیاد پر فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔

جناب عامر عثمانی صاحب فوت ہوگئے اللہ اُن کی جسارت کو معاف فرمائے۔ وہ احباب جنہوں نے اُن کے عقلی بحث مباحثہ کو ''برہان قاطع'' کے نام سے اب شائع کیا ہے اُن کو دعوت فکر ہے۔

عورت کی سربراہی کی مخالفت وحی نہ تھی بلکہ آپ کی رائے تھی۔ متحدہ مجلس عمل کے ارکان نے اسی نظریہ کو اپنا کر اپنی بہو بیٹیوں کو پارلیمنٹ ہاؤس میں پہنچانے کو معیوب نہ سمجھا۔ مجلس شعبہ خواتین نے حکومت کے خلاف سڑکوں پر نکل کر احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ انہی عورتوں کو محرموں کے ساتھ آ کر مردوں سے علیحدہ جمعہ نماز پڑھنے پر کیوں پابندی ہے؟

شریعت محمدی کی رو سے جس طرح عورت اذان نہیں دے سکتی، خطبہ جمعہ نہیں پڑھ سکتی، اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت ولی نہیں سکتی، اسی طرح ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ قرآن وحدیث کی من مانی تعبیر اسلام کی خدمت نہیں۔ تاہم جدیدیت کو اسلام کے لبادہ میں پیش کرنے کی جسارت ہے۔



حافظ محمد شفیق (پرنسپل جامعہ سلفیہ اسلام آباد) کو صدمہ

جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے رئیس حافظ محمد شفیق صاحب کے جواں سال بیٹے جناب کامران شفیق کو ایک کاروباری جھگڑے کے دوران کسی شقی القلب نے گولی مار کر زخمی کر دیا۔ انہیں ہولی فیملی ہسپتال میں زیر علاج رکھا گیا مگر وہ زخموں کی تاب نہ لا کر مؤرخہ ۹ جنوری ۲۰۱۰ء بروز ہفتہ وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون

دن دہاڑے اس سفاکانہ قتل پر ورثاء کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ مرحوم کی اہلیہ اور چھوٹے چھوٹے بچے اپنے باپ کی شفقت سے محروم کر دیے گئے۔ نماز جنازہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ جنازے میں ڈاکٹر فضل الٰہی، حافظ عبدالحمید ازہر، علامہ عبدالعزیز حنیف کے علاوہ طلباء واساتذہ جامعہ سلفیہ، تاجر برادری واہل علاقہ نے سینکڑوں کی تعداد میں شرکت کی۔ احباب مقتول کی مغفرت وبلندئ درجات کی دعا فرمائیں۔ [ادارہ جامعہ سلفیہ، اسلام آباد۔ 051-443227]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابوالحسن محمد بن حسین سجستانی اپنی کتاب ''مناقب الشافعی'' میں لکھتے ہیں: میں نے ماہرین حدیث سے سنا ہے کہ جب امام شافعی اپنی کسی کتاب میں سند بیان کرتے ہوئے یوں فرمائیں:

① ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی ابن ابی ذئب سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد ابن ابی فدیک ہوں گے۔
② ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی لیث بن سعد سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد یحیٰ بن حسان ہوں گے۔
③ ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی ولید بن کثیر سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد ابواسامہ ہوں گے۔
④ ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی اوزاعی سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد عمرو بن ابی سلمہ ہوں گے۔
⑤ ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی ابن جریج سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد مسلم بن خالد زنجی ہوں گے۔
⑥ ...... ہمیں ایک ثقہ شخص نے خبر دی صالح مولی التوأمۃ سے، تو اس موقع پر ثقہ سے مراد ابراہیم بن ابی یحیٰ ہوں گے۔

[مناقب الامام الشافعی، از حافظ ابن کثیر الدمشقی۔ ص: ۱۰۱، ۱۰۲۔ طبع اوّل ۱۴۱۲ھ، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض]

(مرسلہ: ابوبکر ظفر)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے دو کتب کا آنا ضروری ہے

کلمہ اسلام کی مختصر تفسیر

تالیف: ابوالقاسم رانا محمد جمیل خاں
صفحات: ۳۴۴
ناشر: مرکز النداء الاسلامی
قیمت: درج نہیں
تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

اس کتاب کے مؤلف رانا محمد جمیل خاں فاضل علوم اسلامیہ، فاضل وفاق المدارس پاکستان، فاضل عربی اور فاضل علوم شرقیہ ہیں۔ موصوف خطیب بھی ہیں اور مدرس بھی۔ ان کی ساری عمر تعلیم وتعلّم کے دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔ اس لیے انہیں علم میں رسوخ حاصل ہے۔ جس موضوع کو لیتے ہیں اس کا حق ادا کردیتے ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب ''کلمہ اسلام کی مختصر تفسیر'' انہی کی تالیف ہے۔ جس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تفسیر وتشریح کی گئی ہے۔ کلمہ اسلام کی گواہی دینا دین اسلام کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن ہے اور یہ کلمہ توحید الٰہی اور رسالت محمدیہ کے اثبات وتائید اور شرک وبدعت کی نفی وتردید پر مبنی ہے۔

اس کتاب کے دو جز ہیں۔ پہلے جز میں لا الہ الا اللہ کی جب کہ دوسرے جز میں محمد رسول اللہ کی تفسیر وتشریح ہے۔

کتاب سوالاً جواباً لکھی گئی ہے جو ۲۶۳ سوالات اور ان کے علمی وعقلی جوابات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۱۹۹ سوالات وجوابات کلمہ توحید کے بارے میں اور ۶۲ سوالات وجوابات کلمہ رسالت کی تفسیر وتشریح کے بارے میں ہیں۔

مؤلف نے اس کتاب میں زیادہ تر مدار استدلال قرآن مجید ہی کو بنایا ہے تاکہ اہل باطل پر حجت قائم ہوجائے۔

کتاب نہایت عمدہ اور وقیع ہے۔ اپنے موضوع پر ۵۳ عربی ۵۵ اردو اور ۲ انگریزی کتب کا نچوڑ ہے۔ اس اعتبار سے اپنے موضوع پر علم کا وسیع ذخیرہ ہے اور اہل باطل کے خلاف ایک موثر ہتھیار ہے۔

قرآن اور صحابہ

تالیف: ابوالقاسم رانا محمد جمیل خاں
صفحات: ۲۲۴...... **ناشر:** مرکز النداء الاسلامی
قیمت: درج نہیں
تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

زیرنظر کتاب ''اسلام اور صحابہ کرام'' کے نام سے موسوم کتاب کا پہلا جز ہے جسے ''قرآن اور صحابہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور الگ سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قرآنِ مجید کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حیاتِ طیبہ کے تابناک، فکر انگیز اور ایمان افروز پہلو اور ان کے مناقب وفضائل بیان کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور نو ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے ضمن میں کئی کئی فصول قائم کی گئی ہیں اور ہر فصل کے تحت قرآنِ مجید کی آیات اور ان کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ مؤلف نے جہاں کہیں کسی آیت کی تفسیر وتفصیل کی ضرورت محسوس کی ہے وہاں تفاسیر کا سہارا بھی لیا ہے۔

مؤلف نے اپنے موضوع کے اثبات کے لیے قرآنِ مجید کے ۱۸۱ مقامات سے ۳۲۵ آیاتِ کریمہ کا انتخاب کیا ہے جن سے ان کا استدلال نہایت محکم اور دلنشیں ہوگیا ہے۔ اگر کسی کے اندر ذرا بھی عقل وفہم موجود ہو تو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنے دل میں صحابہ کرام سے دشمنی نہیں پال سکتا۔ اور یہی اس کتاب کا مقصد وحید ہے۔

کتاب خوب صورت کارڈ کور ٹائٹل سے مزین اور لائق مطالعہ ہے۔

مسلمان کا غیر مسلم سے خطاب

آ تجھ کو بتاؤں کہ مجھ میں اور تجھ میں امتیاز کیا ہے
تیری ہستی اور میری ہستی میں تفاوت کا آخر راز کیا ہے
تجھے بھی وہی خالق عدم سے وجود میں لایا ہے
جس خالق نے مجھے لبادۂ زندگی پہنایا ہے
تو بھی جس رب کا دیا ہوا رزق کھاتا ہے
وہی ربّ مجھے بھی اپنے خوانِ کرم سے کھلاتا ہے
خالق کی بنائی ہوئی جس زمیں پر تو آباد ہے
میرا مسکن بھی وہی ہے اور حاصل مجھے بھی وہی مفاد ہے
یہ چاند، سورج، ستارے گر ضیا افشاں ہیں تیرے لیے
مجھے بھی روشنی دیتے ہیں اور منفعت رساں ہیں میرے لیے
یہ کائنات کا حسن گر تیرا دل لبھاتا ہے
میرے قلب ونظر کو بھی، یہی ٹھنڈک پہنچاتا ہے
یہ میوے اور پھل جس طرح شیریں دہاں ہیں تیرے لیے
یوں ہی مہیا کرتے ہیں لذت زباں میرے لیے
وہ کونسی نعمت ہے جو تیرے اور میرے لیے یکساں نہیں ہے
بس ہم میں یہی فرق عیاں ہے کہ حقیقی منعم کی تجھے پہچان نہیں ہے
تو اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو منعم وحاجت روا جانتا ہے
کبھی آگ پانی، شمس وقمر اور کواکب کو خدا مانتا ہے
کبھی سجدہ ریز ہوتا ہے تو برگد نما اشجار کے آگے
کبھی جبہہ سائی کرتا ہے، اپنے کسی، اَوتار کے آگے
حقیقت میں شکوک واوہام کا شکار ہے زندگی تیری
میری نگاہ میں جہنم کی آگ کا انبار ہے یہ بندگی تیری
میرا اللہ حیی وقیوم ہے اور میں اُسی کا پرستار ہوں
ایمان کی دولت نصیب ہے مجھے، جذبہ شہادت سے بھی سرشار ہوں
زندہ اللہ کے پرستار بندے کبھی دوسروں سے ڈرا نہیں کرتے
راہِ حق میں شہادت پا بھی جائیں، زندہ رہتے ہیں مرا نہیں کرتے
مگر یہ جذبہ سر فروشی اپنے اندر تو بتا کہاں سے لائے گا؟
اگر مجھ سے تیرا ٹکرا ہوا تو صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا

[محمد اسحاق عابر، ملتان]